وعظ

الفضل العظیم

(علمِ دین کی فضیلت)

حضرت تھانویؒ نے ''علمِ دین کی فضیلت'' پر ۲۳ صفر المظفر ۱۳۳۱ھ کو بمقام ریاست رام پور چرخ والی مسجد میں جمعہ کے دن ۲ گھنٹے ۱۴ منٹ بیٹھ کر یہ وعظ ارشاد فرمایا' مولانا سعید احمد تھانویؒ صاحب نے اسے قلمبند فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد ان سیدنا و مولٰنا محمدًا عبدہ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارك وسلم۔ اما بعد ! فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: ﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾(۱)

''اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور علم کی باتیں نازل فرمائیں اور آپ کو وہ باتیں بتلائیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے''۔

فضیلتِ علم

یہ ایک آیت کا جزو ہے اس میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے علم کے عطا کرنے کا امتنان (۲) جناب رسول مقبول ﷺ پر ظاہر فرمایا ہے جس سے علم کی فضیلت معلوم ہوتی ہے تو علم کی فضیلت اس آیت میں مذکور ہے۔ اور اس وقت اس کے بیان کرنے کی دو ضرورتیں ہیں ایک خاص اور ایک عام۔ خاص ضرورت تو یہ ہے کہ واقع میں مسلمانوں کو کسی وقت علم سے استغنا (۳) نہیں ہے اور باوجود اس کے آجکل

(۱) سورۃ النساء: ۱۱۳ (۲) نعمت دینا و احسان رکھنا (۳) بے نیازی نہیں۔

اس کی طرف سے عام بے توجہی ہے تو اس لئے بھی اس کی ضرورت ہے تاکہ اس بیان کو سن کر لوگ ادھر متوجہ ہو جاویں۔ اور علمِ دین کی احتیاج ظاہر ہے۔

قانونِ الٰہی کی وسعت

کیونکہ علمِ دین جملہ قوانینِ الٰہیہ کے جاننے کا نام ہے اور خداوند تعالیٰ کے ساتھ ہمارا جو تعلق ہے وہ ظاہر ہے کہ وہ ہمارے مالک اور ہم ان کے مملوک اور مطیع (۱) ہیں تو حق تعالیٰ کو ہر طرح کا اختیار ہے جو چاہیں کریں تو یہ بھی اختیار ہے کہ احکام جاری کریں چنانچہ جاری کئے تو جیسا کہ کوئی کسی کے حکمِ امتناعی (۲) میں رہ کر اس کے قوانین کو ضرور مانتا ہے ایسا ہی ہم کو بھی خداوند تعالیٰ کے احکام ضرور ماننے ہوں گے اور حق تعالیٰ کے قوانین ایسے محیط ہیں کہ دنیوی دینی سب حرکات و اعمال کے ساتھ ایک ایک قانون متعلق ہے خواہ یجوز خواہ لا یجوز (۳) ایسا کوئی فعل نہیں جس کے متعلق جائز یا ناجائز کا کوئی فتویٰ نہ ہو اور ظاہر ہے کہ افعال کس قدر کثرت سے ہیں ان کے اندر کتنی وسعت ہے تو وہ قانون بھی ایسا ہی وسیع ہوگا تو جو شخص اس قانون کو نہ جانے گا اس سے بہت قریب ہے کہ اس قانون کے خلاف عمل درآمد ہو جاوے اس لئے اس کا جاننا ضروری ہوا' البتہ اگر نہ جاننے کا عذر معتبر ہوتا تب بھی غنیمت ہوتا مگر کسی سلطنت میں بھی نہ جاننا عذر نہیں ہے بالخصوص جبکہ جاننے کے ذرائع بھی موجود ہوں گو خدا تعالیٰ کے یہاں ایسے لوگ جن کے پاس خدائی قانون کے جاننے کے اسباب نہ ہوں کسی درجہ میں معذور ہیں لیکن جہاں اسباب موجود ہوں کہ کہنے سننے والے موجود ہوں اور یہ معلوم ہو گیا ہو کہ حق تعالیٰ کی طرف سے کچھ احکام ہیں تو اس وقت نہ جاننا تو کسی طرح بھی عذر نہیں' لوگ سمجھتے ہیں کہ جان

(۱) ان کی مِلک ہیں اور فرمانبردار ہیں (۲) کسی کے زیرِ نگیں (۳) خواہ وہ جائز ہو یا ناجائز ہو۔

کر عمل نہ کرنا زیادہ سخت ہے۔

قانونِ خداوندی کو جاننے کی ضرورت

ہاں ایک اعتبار سے یہ بھی صحیح ہے ویل للعالم سبع مرات (عالم کے لئے سات گنی خرابی ہے) مگر دوسری طرف نظر کی جاوے تو یہ پھر بھی ایک ہی جرم ہے یعنی صرف عمل تو نہ کرنے کا' مگر جاہل سے تو یہ بھی سوال ہوگا کہ علم کیوں نہیں حاصل کیا؟ تو اس نے دو جرم کئے' تو لوگوں کا یہ خیال کہ پڑھ کر کیا ہوگا اگر پڑھ کر عمل نہ کریں گے تو اور زیادہ گناہ ہوگا محض غلط ہے کیونکہ جاہل رہنا دوہرا جرم ہے تو قوانینِ خداوندی کا جاننا ضروری ہوا کیونکہ جو شخص نہیں جانے گا وہ عمل کیا کرے گا بلکہ اگر امیدِ عمل نہ ہو تب بھی جاننا ضروری ہے۔ کیونکہ جاننے میں اول تو یہ فائدہ ہے کہ جہل کے جرم سے بچا دوسرے ممکن ہے کہ کبھی عمل کی توفیق ہو تو اس وقت جاننے سے یہ فائدہ تو ہوگا کہ عمل تو کر سکے گا اور اگر اس وقت جانتا بھی نہ ہوگا تو عمل کیسے کرے گا؟ جیسے اگر کسی کو خارشت (۱) کا نسخہ بھی معلوم نہ ہو تو اگر کسی وقت اس کا علاج کرنا چاہے گا بھی تو کیا کرے گا؟ اسی طرح اگر کسی کو علم ہی نہیں تو اگر چاہے گا بھی تو عمل کیسے کرے گا اور اگر کہے کہ جب عمل کرنے کا ارادہ ہوگا اسی وقت جان لیں گے تو یہ خیال غلط ہے کہ اس وقت علم حاصل کر لیں گے عین وقت پر علم حاصل کرنا بہت دشوار ہے کیونکہ ہمیشہ اس کے اسباب مہیا نہیں ہوتے ممکن ہے کہ اس وقت کوئی بتلانے والا ہی نہ ملے نیز ایک دم سے تمام باتوں کا علم حاصل کرنا نفس پر شاق (۲) بھی ہوتا ہے دیکھئے عمل کے اندر بھی شریعت نے اس کی رعایت

(۱) کھجلی کے دور کرنے کی دوا معلوم نہ ہو (۲) بہت مشکل ہوتا ہے

کی ہے کہ ایک دم سے بار نہیں ڈالا۔

سات برس کی عمر میں حکمِ نماز کی حکمت

چنانچہ ارشاد ہے کہ جب بچہ سات برس(۱) کا ہوجاوے اس وقت اس سے نماز پڑھنے کے لئے کہو اور جب دس برس کا ہوجاوے تو مار کر نماز پڑھاؤ حالانکہ دس برس کا لڑکا بالغ نہیں ہوتا اور سات برس کی لڑکی بھی بالغ نہیں ہوتی تو سات ہی برس سے جبکہ دونوں نابالغ ہیں نماز پڑھانے کا حکم ہے۔ غرض سات برس یا دس برس ہر حالت میں نابالغ ہیں۔ سات برس کی عمر میں تو سب ہی نابالغ ہوتے ہیں اور دس برس کی عمر میں اکثر، مگر پھر بھی نماز پڑھانے کا حکم ہے۔ ایک بچہ مجھ سے کہنے لگا کہ میں تو بالغ نہیں ہوں تو مجھ پر نماز واجب نہیں، میں نے کہا کہ تم پر تو واجب نہیں لیکن ہم پر تو واجب ہے کہ تم کو جبراً پڑھائیں۔ تو شریعت میں آخر یہ کیوں رکھا گیا کہ بلوغ سے بھی پہلے ہی ان سے نماز پڑھوائی جائے اس لئے کہ اگر بلوغ کی حالت میں دفعۃً(۲) اس کو کہا جاوے گا تو بہت مشکل ہے کہ اول ہی تاریخ میں پانچ وقت کے مقید(۳) ہوسکیں اس کے متعلق ایک نکتہ یاد آیا کہ سات برس کی تخصیص کیوں ہے حالانکہ اس کے قبل بھی نماز پڑھائی جاسکتی ہے۔ مجھے ایک مرتبہ یہ خیال ہوا کہ سات برس کی تخصیص مقصود نہیں ہے۔ یہ محض اس لئے ہے کہ سات برس میں بچہ کو اکثر نماز کی سمجھ ہوجاتی ہے لیکن اگر اس عمر سے کم ہی میں اتنی سمجھ ہوجاوے کہ نماز پڑھ سکے تو اسی وقت اس کو نماز پڑھوانا چاہئے۔ بس میں نے یہ خیال کرکے مدرسہ میں پانچ برس کے بچوں کو بھی کھڑا کردیا۔ عصر کا وقت تھا بعد نماز کے معلوم ہوا کہ ایک بچہ نے نماز میں پیشاب کردیا ہے اس وقت حکمت حکمِ

(۱) سات سال کا ہوجائے (۲) اچانک (۳) پانچ وقت کی پابندی کرسکیں۔

شریعت کی معلوم ہوئی کہ سات برس کی تخصیص میں یہ حکمت ہے کہ اس سے کم ایسی باتوں کی تمیز نہیں آتی خلاصہ یہ کہ سات ہی برس کی عمر سے بچوں کو نماز پڑھوانے کا حکم ہے جبکہ بالغ بھی نہیں ہوتے تو حکمت اس کی وہی ہے کہ پہلے سے عادت پڑے اب جبکہ بالغ ہوگا اور نماز پڑھنی پڑے گی تو اس وقت دشواری نہیں ہوگی جیسے ایک دم سے عمل کرنا دشوار ہے اسی طرح علم حاصل کرنا بھی دشوار ہے

زیادتِ علم کے لئے دستور العمل

اس لئے ضرورت ہے اس کی کہ قبل وقوعِ ضرورت علومِ ضروریہ (۱) کو جمع کرلیں اور جمع کرنے کے وقت یہ نہ سمجھو کہ فلاں عمل میرے ذمّے تو ہے نہیں اس کا علم ابھی سے کیوں حاصل کروں جب ذمّے ہوگا اس وقت جان لوں گا' کیونکہ بعض اوقات عین وقت پر علم حاصل کرنا دشوار ہے تو پہلے ہی سے جان رکھنا چاہئیے۔ مثلاً نماز کے مسئلے پہلے ہی سے سیکھ لینا چاہیے۔ یا مثلاً دکان شروع کی تو چونکہ بہت سی معاملہ کی صورتیں ناجائز ہیں تو اس کو قبل شروع ہی جان لینا چاہیے۔ غرض علم چونکہ دفعۃً واحدۃً (۲) حاصل ہونا مشکل ہے لہذا کم از کم ایک مسئلہ ہر روز سیکھتے رہنا چاہیے تو یہ اتنی ضرورت کی چیز ہے جب تو حضور ﷺ کو یہ امر ہے ﴿قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا﴾ یعنی ''آپ کہئے کہ اے رب میرے علم کو زیادہ کیجئے'' کیونکہ آپ کے لئے تو علم کی زیادتی کا یہی طریقہ تھا کہ حق تعالیٰ بذریعہ وحی کے علم بڑھاویں اس لئے آپ کو یہی طریقہ بتلایا گیا مگر دوسرے لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں ان کو جاننے والوں سے معلوم کرنا بھی ضروری ہے چنانچہ ان کو یہ حکم ہے کہ ﴿فَاسْئَلُوْا اَھْلَ

(۱) ضرورت پیش آنے سے پہلے ہی تمام علومِ ضروریہ کو حاصل کرلیں (۲) ایک دم سے حاصل ہونا مشکل ہے۔

الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴾(۱) یعنی ''اگر تم کو علم نہیں ہے تو علم والوں سے پوچھ لو'' ہاں اس کے ساتھ یہ دعا بھی ضروری ہے (رَبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا) ''اے رب میرے علم کو زیادہ کیجئے'' کیونکہ اسباب بدون اعانتِ الٰہی (۲) کافی اور مفید نہیں ہوتے تو ضروری دعا بھی ہے مگر کافی نہیں بلکہ دعا کے ساتھ علماء کی صحبت' کتاب دیکھنا وغیرہ بھی ضروری ہے۔ اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہر ایک کو اصطلاحی عالم بننا ضروری ہے اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ علماء کا مطلب یہی ہے کہ ہر شخص درسیات پڑھے اور پھر اس پر شبہہ کیا جاتا ہے کہ ہم کیونکر درسیات حاصل کریں ہم کو دنیا کے کاروبار سے اتنی فرصت کہاں ہے۔ بس اپنے کو غیر قادر سمجھ کر مطلق تحصیلِ علم سے معذور سمجھ لیتے ہیں اور پھر قدرِ ضرورت (۳) بھی حاصل نہیں کرتے' تو صاحبو! علم کے معنی جاننے کے ہیں اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کتابیں پڑھیں اور اس کا نفع متعدی (۴) ہوتا ہے کیونکہ ایسے علم سے عام لوگوں کو نفع پہنچتا ہے اور ایک وہ طریقہ ہے کہ علماء کی صحبت اختیار کریں اور ان سے مسائل دریافت کر کے سیکھیں اور اس کا نفع متعدی نہ ہوگا یعنی یہ شخص عام تعلیم کا اہل نہ ہوگا گو کہ اپنے اہل کو خاص تعلیم کرنا اس کے بھی ذمّے ہوگا۔

اہلِ علم کی شان

جس کو اس آیت میں فرماتے ہیں: ﴿وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ﴾(۵) ''اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں'' اس آیت میں یدعون کا مفعول ذکر

(۱) سورۃ النحل: ۴۳ (۲) اللہ کی مدد کے بغیر (۳) پھر جتنا ضروری ہے وہ بھی حاصل نہیں کرتے (۴) دوسروں تک پہنچنے والا (۵) سورۃ آل عمران: ۱۰۴۔

نہیں فرمایا یہ ذکر نہ کرنا مشیر ہے اس کے عموم کی طرف، مطلب یہ ہے کہ یَدْعُون النَّاس یعنی عام لوگوں کو خیر کی طرف بلاویں تو یہ شان اہلِ علم کی ہے یعنی ان لوگوں کی جنہوں نے سب علوم کا بقدرِ ضرورت احاطہ (۱) کیا اور فرض یہ بھی ہے مگر فرض علی الکفایہ ہے کہ امت میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہونے چاہئیں کہ جن سے عوام امت کا کام چلے اسی لئے محققین نے "مِنْ" کو اس آیت میں تبعیضیہ کہا ہے یعنی تم میں بعض ایسے ہونے چاہئیں۔ اس کی عرفی مثال ایسی ہے جیسے طِب کا حاصل کرنا ہر ایک کو طبیب ہونا ضروری نہیں مگر ایک تو یہ ضروری ہے کہ کچھ طبیب ہوں دوسرے یہ کہ ہر ایک کے لئے ضروری ہے کہ ہر مرض میں طبیب سے رائے لے یا ہر مقدمے میں وکیل سے پوچھے گو ہر شخص وکیل نہ ہو۔ اسی طرح مولوی ہونا ہر ایک کے لئے ضروری نہیں لیکن ایک تو کچھ کا مولوی ہونا مجموعہ کے ذمّہ اور ایک مولویوں سے جو کہ روحانی طبیب اور قانونِ الٰہی کے جاننے والے ہیں رائے لینا یہ ہر شخص کے ذمّے ضروری ہے۔ اگر کوئی ظاہری امراض اور ظاہر مقدمات پر نظر کر کے کہے کہ ہم کو تو خدا کے ہاں نہ کوئی مقدمہ پیش آتا ہے نہ کوئی ایسا مرض لاحق ہوتا ہے جس کے لئے علماء سے پوچھنے کی ضرورت ہو تو یہ غلطی ہے۔ آپ ہر وقت مرض میں مبتلا ہیں۔ آپ صرف دردِ سر ہی کو مرض سمجھتے ہیں حالانکہ اصل مرض وہ ہے کہ جس کا انجام ﴿لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی﴾ (۲) (یعنی نہ تو اس آتش دوزخ میں مر ہی جاوے گا نہ آرام کی زندگی جئے گا) ہے مرض نام ہے اعتدال سے خروج (۳) کا تو جیسے جسم کا خروج اعتدال (۴) سے جسم کا مرض ہے اسی طرح روح کا خروج اعتدال سے روح کا مرض ہے بلکہ روح کا مرض تو جسم کے مرض سے بھی شدید ہے کیونکہ اس کا انجام تو لا یَحْیٰی (۵) ہے اور روحانی مرض کا انجام

(۱) سارے علوم ضروری درجہ میں حاصل کر لئے (۲) سورۃ الاعلیٰ: ۱۳ (۳) حد سے متجاوز ہو جانے کا (۴) جسم میں جو اخلاط اربعہ ہیں ان میں سے کسی کا اپنی حد سے باہر ہونا مرض کہلاتا ہے (۵) نہ زندہ رہے گا۔

ہے لَا یَمُوتُ وَ لَا یَحْیٰ (نہ مرے ہی گا اور نہ زندہ رہے گا) اور وہ مرض روحانی گناہ ہے دیکھ لیجئے ایسا کون ہے کہ ہر وقت وہ کسی نہ کسی گناہ میں یا احتمالِ گناہ میں مبتلا نہیں تو اگر مرض یعنی گناہ میں مبتلا ہے تو اس کا علاج کرنا چاہئیے اور اگر احتمالِ مرض ہے یعنی گناہ میں مبتلا ہونے کا احتمال ہے تو حِفظ ما تقدم کے طور (۱) پر کچھ کرنا ضروری ہے اسی طرح ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ہم کو خدا کے ہاں مقدمات ہی کیا پیش آتے ہیں؟ صاحبو آپ کا تو ہر وقت ایک مقدمہ درپیش ہے مگر افسوس ہے کہ ہم اس کو مقدمہ نہیں سمجھتے۔ جب یہ ہے تو آپ کو ہر وقت تفتیش (۲) اور احکام پوچھنے کی ضرورت ہے تو علماء کو طبیب کہیے یا وکیل بہرحال ان کی آپ کو ہر وقت ضرورت ہے۔

اور یہاں یہ بھی سمجھو کہ جیسے کوئی شخص طبیب سے دوا پوچھ کر حکیم نہیں ہوجاتا یا وکیل سے کوئی رائے لیکر قانون داں نہیں ہوجاتا اسی طرح علماء سے کوئی مسئلہ پوچھ کر کوئی شخص مولوی نہیں ہوجائے گا اور بعض کے مولوی ہونے کی ضرورت اوپر مذکور ہوچکی ہے اس لئے بعض کا درسیات پڑھنا بھی ضروری ہوا تاکہ وہ مولویت کا کام انجام دیں ایسا مولوی ہونا ہر ایک کو ضروری نہیں ہے بلکہ ترقی کر کے کہتا ہوں کہ مولوی ہونا ہر ایک کو مناسب بھی نہیں کیونکہ اگر سب کے سب تعلیم و تعلم (۳) ہی میں مشغول ہوں تو اسبابِ معاش بالکل بند ہوجائیں اور یہ گناہ ہے اس لئے اس فرضِ کفایہ (۴) کے ادا کے لئے ہر شہر میں دو چار علماء ہونا کافی ہیں کہ وہاں کی دینی ضرورت رفع ہوتی رہے اور ساتھ ہی اس کا سلسلہ جاری رہنا بھی

---

(۱) گناہ میں واقع ہونے سے پہلے حفاظت کرنے کے طور پر (۲) مسائل کی تلاش اور مسائل معلوم کرنے کی ضرورت ہے (۳) پڑھنے پڑھانے میں (۴) فرض کفایہ وہ کہلاتا ہے کہ اگر چند لوگ اس کو ادا کرلیں تو باقی سب بھی اس سے بری ہوجاتے ہیں اگر کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب گناہگار ہوں گے۔

ضروری ہے ورنہ جب سب ختم ہو جاویں گے پھر کوئی مولوی نہ رہے گا اور اس فرضِ کفایہ کے ترک سے سب گناہگار ہوں گے۔

علمِ دین اور فرضِ کفایہ

پس اس سلسلہ کے جاری رہنے کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ وہ اس میں مشغول ہیں چنانچہ طلباء پڑھتے ہیں اور علماء پڑھاتے ہیں اور یہ درجہ کفایہ کا ہے' اور دوسرا درجہ فرضِ عین (۱) ہے یعنی اپنی ضروریاتِ دین کو جاننا سو یہ ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس کا ایک طریقہ تو وہ تھا جو پہلے بیان کیا گیا کہ علماء کی صحبت اختیار کریں اور ان سے مسائل دریافت کرتے رہا کریں۔ اور ایک دوسرا طریقہ بھی ہے اور وہ بہت ہی سہل (۲) ہے اس کو بھی عرض کرتا ہوں تا کہ لوگوں کو تحصیلِ علم سے توحش (۳) نہ رہے اور وہ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک تو یہ التزام کر لیجئے کہ جو لوگ کچھ پڑھے ہوئے ہیں وہ تو کوئی دین کی معتبر کتاب لیکر دو چار ورق ہر روز پڑھ لیا کریں اس میں کوئی زیادہ وقت بھی صرف نہ ہوگا اور پڑھنے کے ساتھ یہ بھی کریں کہ جہاں شبہہ ہو وہاں نشان کر دیا کریں اور پھر کسی معتبر عالم سے ان مقامات کو سمجھ کر اپنا شبہہ رفع (۴) کر لیں۔ یہ تو ان لوگوں کے لئے ہے جو پڑھے ہوئے ہوں اور جو لوگ پڑھے ہوئے نہ ہوں وہ یہ کریں کہ کسی کے پاس جا کر منت خوشامد کر کے اس سے دو چار ورق روزانہ اس کتاب کے سن لیا کریں اور سمجھ لیا کریں یا یہ کریں کہ ہر محلّہ کی مسجد میں ہفتہ میں دو بار یا ایک بار لوگ جمع ہو کر کسی سے کوئی کتاب سن لیا کریں اور کوئی ایسا مل جاوے جو

(۱) فرض عین وہ کہلاتا ہے کہ اس پر عمل کرنا ہر ایک کے لئے انفرادی طور پر ضروری ہے ایک کے ادا کرنے سے دوسرے کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا (۲) آسان (۳) علم حاصل کرنے سے وحشت و گھبراہٹ نہ ہو (۴) شبہہ دور کر لیں۔

حسبۃً للہ(۱) پڑھ کر سنادیا کرے تو خیر ورنہ چند آدمی مل کر اس کی کچھ تنخواہ مقرر کردیں۔ یہ تو تفصیل ہے پڑھے ہوئے اور بے پڑھے لوگوں میں' اور ایک امر دونوں میں مشترک(۲) ہے کہ اس کو دونوں اختیار کریں کہ جب کوئی نیا کام کرنا چاہیں تو علماء سے جاکر پوچھ لیا کریں کہ یہ جائز ہے یا نہیں خواہ کوئی تجارت ہو یا شادی ہو یا غمی ہو غرض جو کچھ بھی کرنا ہو کسی عالم سے پوچھ لیا کریں اور اس میں آپ کا خرچ ہی کیا ہوتا ہے۔ بلکہ اگر عمل کی بھی ہمت نہ ہو تب بھی پوچھ لیں پوچھنے میں کیا خرچ ہوتا ہے ممکن ہے کہ کبھی عمل کی توفیق ہوجاوے۔ دوسرے پوچھ لینے میں یہ فائدہ ہے کہ اگر احکام معلوم ہوں گے تو عقیدہ تو درست ہوجائے گا۔ اس وقت تو اکثر گناہوں کو گناہ بھی نہیں سمجھتے حلال کو حرام' حرام کو حلال سمجھ رہے ہیں۔ اور اگر کوئی شبہہ ہوا کرے تو اس کو چھپایا نہ کریں بلکہ جاکر فوراً کسی عالم سے پوچھ لیا کریں اور اس میں شرمائیں نہیں کیونکہ جو مریض اپنے مرض کو چھپائے گا اس کو صحت نہیں ہوسکتی بلکہ مرض بڑھتے بڑھتے مہلک ہوجاوے گا۔

میں کانپور میں قرآن مجید کا بیان بالترتیب کیا کرتا تھا ایک مرتبہ حضرت زینبؓ کے واقعۂ نکاح کو بیان کیا اور ذرا تفصیل سے بیان کیا بعد بیان کے ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ آج آپ کے بیان سے اتنے برس کا شبہہ جاتا رہا جو حضرت زینبؓ کے نکاح کے متعلق ایک پادری کی کتاب دیکھ کر پیدا ہوگیا تھا مگر شرم کے مارے کسی سے کہتا نہ تھا۔ میں نے سمجھادیا کہ آئندہ ایک تو آپ ایسی کتابیں نہ دیکھا کیجئے۔ دیکھئے چھپانے کا نتیجہ ہوا کہ کتنے برس تک شبہہ میں مبتلا رہے غرض جب شبہہ واقع ہو فوراً اصاف کرلیا کیجئے اور اگر ایک سے پوچھنے پر تسلی نہ ہو دوسرے سے پوچھے جیسے کہ آپ مرض کے لئے ایک طبیب سے رجوع کرتے ہیں جب اس

(۱) صرف اللہ کی رضاء کے لئے مفت پڑھادے (۲) ایک بات میں دونوں شریک ہیں۔

سے شفا نہیں ہوتی تو دوسرے سے رجوع کرتے ہیں جب اس سے شفا نہیں ہوتی تو دوسرے سے رجوع کرتے ہیں' اسی طرح جب تک تسلی نہ ہوجائے اس وقت تک سوال کا سلسلہ جاری برابر رکھنا چاہئیے اور اگر کوئی عالم سامنے نہ ہوتو ایک جوابی کارڈ یا ایک لفافہ میں کام چلتا ہے۔ بس جو بات پوچھنی ہو لکھ کر کسی عالم کے پاس بھیج دیجئے اور اگر کوئی عالم وہاں ہوتو کارڈ خرچ کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

حضرات علماء سے ضروری مسائل پوچھنے کی ضرورت

غرض جس طرح ہو سوالوں کا سلسلہ برابر جاری رکھئے۔ مگر فضول بات نہ پوچھئے جیسے کہ اختلافی مسائل کو علماء سے محض اس امتحان کے لئے دریافت کیا جاتا ہے کہ یہ کس فرقہ کا ہے آپ کو امتحان لینے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر کہئے کہ اس لئے دریافت کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ وہ خوش عقیدہ ہے یا نہیں' تو میں کہتا ہوں کہ ایسے محتمل (۱) میں کیوں پڑے جس سے پختہ اعتقاد ہو اس سے پوچھئے اور اس سے بھی فضول بات نہ پوچھئے۔ حدیث میں ہے(من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعینه) ''یعنی آدمی کے اسلام کی خوبی سے ہے بے فائدہ باتوں کو ترک کرنا'' اب لوگ ضروری باتیں تو پوچھتے نہیں بس یا تو اختلافی مسائل کو دریافت کرتے ہیں یا ایسی باتیں پوچھتے ہیں جن کا کبھی وقوع ہی نہیں ہوتا جیسے کہ ایک صاحب نے پوچھا تھا کہ ایک عورت چلی جارہی تھی اس کے ساتھ ایک تو اس کا خاوند تھا اور ایک اس کا بھائی راستے میں ڈاکوؤں نے دونوں کو قتل کر ڈالا عورت نے ان پر رونا پیٹنا شروع کیا۔ اتفاق سے ادھر ایک بزرگ کا گزر ہوا انہیں اس کے رونے پر رحم آیا اور فرمایا کہ تو دونوں کے سروں کو دونوں دھڑوں کے ساتھ لگادے۔ میں دعا کئے دیتا

(۱) اس احتمال ہی میں کیوں پڑتے ہو۔

ہوں دونوں زندہ ہوجائیں گے۔اس نے سروں کو دھڑ کے ساتھ لگا دیا۔مگر اس سے غلطی یہ ہوئی کہ ہر ایک کے دھڑ کے ساتھ دوسرے کا سر جوڑ دیا تو اب وہ عورت کس کے نکاح میں رہنی چاہیے؟ میں نے کہا بھائی جب سے دنیا ہوئی نہ تو ایسا واقعہ کبھی ہوا اور نہ امید ہے کہ جب تک کبھی ہو پھر اس کے جاننے کی کیا ضرورت' اور اگر کبھی ضرورت ہوگی تو حضرت عمرؓ کے فرمانے کے موافق کوئی نہ کوئی جاننے والا بھی ضرور مل جائے گا۔

اسی طرح ایک اور صاحب نے پوچھا تھا کہ ایک شخص تھا اور اس کے پاس ایک بکری تھی رات کو اس کے یہاں چور آگئے اور اس شخص کو اور اس بکری کو دونوں کو قتل کر گئے اس کی بیوی نے رونا شروع کیا ایک بزرگ آئے اور انہوں نے اس سے کہا کہ سر جوڑ دے میں دعا کئے دیتا ہوں۔اس نے اندھیرے میں بکری کا سر آدمی کے لگا دیا اور آدمی کا سر بکری کے تو وہ بکری دودھ بھی دیتی تھی اور بات چیت بھی کرتی تھی اس کا دودھ جائز ہے یا نہیں؟ تو آج کل امتحان لینے کے لئے محض فرضی مسئلے پوچھتے ہیں۔

عورتوں کو دیندار بنانے کا طریقہ

حدیث میں ہے ''نھی عن الاغلوطات'' یعنی آپ نے غلطی میں ڈالنے والی باتوں کے دریافت کرنے سے منع فرمایا تو ان سوالوں سے کیا فائدہ کام کی بات پوچھو نماز' حج' زکوۃ' میراث یہ سب باتیں پوچھو۔غرض ضروری مسائل کے متعلق اگر سلسلہ سوالوں کا برابر جاری رکھیں تو ایک وقت میں علم کا بڑا ذخیرہ آپ کے پاس جمع ہوجائے گا یہ تو مردوں کے لئے ہے' اور عورتوں کی تعلیم مردوں کے ذمّے ہے جب گھر میں جاویں ایک آدھ مسئلہ بتلا دیا کریں۔اور جب کوئی نیا مسئلہ

سنیں جا کر ان سے کہہ دیا کریں یہ تو وہ لوگ کریں جو پڑھے لکھے نہ ہوں اور جو پڑھے لکھے ہیں وہ جا کر گھر میں کتاب بھی سنا دیا کریں مجھ سے بہت لوگوں نے شکایت کی عورتوں کی کہ ان میں دینداری نہیں۔ میں نے سب کو یہ رائے دی کہ دینی کتابیں ان کو سناؤ کیونکہ ساری خرابیوں کی جڑ جہل ہے۔ جب وعدے وعیدوں(۱) کا ان کو علم ہوگا تو آخر مسلمان ہیں کب تک اثر نہ ہوگا' یقیناً ہوگا اور جہاں ایسا کیا گیا وہاں نفع ہوا۔ مگر اس کو کریں تو یہ کیا غضب کی بات ہے کہ گھر جا کر یہ تو پوچھیں گے کہ روٹی تیار ہوئی لیکن یہ کبھی نہ پوچھیں گے کہ نماز بھی پڑھی؟ صاحبو! کم سے کم ان کی نماز تو سن لینی چاہئے۔ الحمد صحیح ہے یا نہیں' دعائیں یاد ہیں یا نہیں' ارکان ٹھیک ادا ہوتے ہیں یا نہیں یہ تو سب مردوں کے ذمے ہے مردوں کو چاہیے کہ عورتوں کی تعلیم کا خیال رکھیں۔ اور یہ وہ طریقے ہیں کہ اس میں کوئی بھی دشواری نہیں اور اس طریقہ سے سب مرد و عورت عالم ہو جاویں گے۔

علمِ دین کی ضرورت

تو ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس کی پابندی کریں اور اگر اس طریقے کو اختیار نہ کیا اور یہی جہل رہا تو خلافِ قانونِ الٰہی عمل درآمد کریگا۔ پھر اس پر باز پرس ہوگی۔ پس علم کی ضرورت وہ ضرورت ہے کہ ہر مسلمان کو عام ہے۔ اس لئے بھی میں نے اس آیت کو اختیار کیا۔ کسی خاص مدرسے کی ضرورت سے ایسا نہیں کیا بلکہ مدرسے کی غرض بھی یہی ہے کہ عام مسلمانوں کو فائدہ ہو' تو حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس ٹکڑے میں فضیلت علمِ دین بیان فرمائی ہے اور علم میں دین کی قید میں نے اس لئے لگائی کہ اس وقت ہماری بدقسمتی سے علمِ معاش کو بھی علم کہنے لگے ہیں۔ چنانچہ کہتے

(۱) نیک اعمال پر جو انعامات ہیں اور برائیوں پر جو عذابات ہیں۔

ہیں کہ آجکل زمانہ ہے علمی ترقی کا کہ فلاحت زراعت کی تعلیم ہوتی ہے۔

صاحبو یہ علم کی فہرست ہے اور ہم اصطلاح میں مناقشہ(۱) نہیں کرتے مگر اس کو ذرا وسیع کرنا چاہتے ہیں۔ جب آپ صناعت (۲) کو بھی علوم میں شمار کرتے ہیں تو کفش دوزی (۳) کو بھی علم کہئے اور اگر علم اسی کا نام ہے جو شریف ہے تو جیسے کفش دوزی علم نہ ہوگا اسی طرح یہ چیزیں بھی علم نہ ہوں گی کیونکہ یہ دیکھنا چاہئیے کہ شرف علم کا (۴) کس چیز سے ہے تو ظاہر ہے کہ شرف علم کا موضوع کے شرف (۵) سے ہے۔ اب دیکھئے کہ ان سب کا موضوع (۶) کیا ہے وہی دنیا اب دنیا کو ذرا ملاحظہ کیجئے کہ اس کی کیا قدر ہے۔

دُنیا کی مذمت

حدیث میں ہے کہ (لو کانت الدنیا تعدل عنداللّٰہ جناح بعوضة ماسقی کافرامنھا شربة ماء) یعنی ”اگر دنیا خدا تعالیٰ کے نزدیک اتنی بھی قدر رکھتی جیسا کہ مچھر کا پر تو کافر کو اس سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتے“ اور وجہ یہ ہے کہ کفار مبغوض (۷) ہیں اور دشمن کو کوئی پیاری چیز نہیں دیتا تو اس حدیث سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ دنیا کتنی پیاری ہے، اور قرآن میں ارشاد ہے کہ: ﴿وَلَوْلَآ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ﴾ (۸) یعنی ”اگر اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ تمام آدمی ایک ہی طریقے پر ہوجاویں گے تو کفار کو اتنا دیتے کہ ان کے گھروں کی چھت اور زینے چاندی کے ہوتے“ مگر ایسا اس لئے نہیں کیا کہ تمام لوگ بچل (۹) جاتے الا ماشاء اللّٰہ تو دنیا حق تعالیٰ

(۱) اصطلاحات میں بحث نہیں کرتے (۲) صنعتوں کو جیسے انجینیری وغیرہ (۳) کپڑے سینے کو بھی علم کہیے (۴) علم کا اعزاز کس چیز سے ہے (۵) علم کا اعزاز اس کے مقصد سے ہوتا ہے (۶) ان تمام علوم کے حصول کی غرض کیا ہے وہ صرف دنیا کمانا ہے (۷) کفار پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے (۸) سورۃ الزخرف: ۳۳ (۹) اصل راستے سے بہک جائے۔

کے نزدیک ایسی ذلیل چیز ہے کہ اگر مسلمان کے بگڑ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو کفار کو حالت موجودہ سے بھی اور زیادہ دیتے اور اہلِ ایمان کے لئے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جس سے خدا کو محبت ہوتی ہے اس کو دنیا سے ایسا بچاتے ہیں جیسا کہ جلندھر(۱) کے مریض کو پانی سے بچاتے ہیں مگر افسوس کہ مسلمانوں کو آجکل اس کمی سے شکایت پیدا ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْ اَكْرَمَنْ وَاَمَّا اِذَامَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْ اَهَانَنْ﴾(۲) یعنی کافر کی یہ حالت ہے کہ اگر اس کو مال و دولت دیا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر کی اور اگر اس پر رزق تنگ کر دیا جاتا ہے کہ بس معلوم ہوتا ہے کہ میری ان کے یہاں بڑی بے قدری ہے۔

تو کفار دنیا کے ہونے کو تو مقبولیت سمجھتے ہیں اور نہ ہونے کو مردودیت آجکل مسلمان بھی بوجہ بے خبری کے ایسا سمجھنے لگے ہیں۔ سو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ اپنے مقبولین کو دنیا سے اس طرح بچاتے ہیں کہ جیسے تم جلندھر کے مریض کو پانی سے بچاتے ہو اور اس کو نہیں دیتے تو کیا تم اس مریض کے بدخواہ ہو کیا یہ پانی نہ دینا دشمنی کی وجہ سے ہے؟ ہرگز نہیں؛ بلکہ اس کا سبب محض خیر خواہی اور محبت ہے۔ اسی طرح حق سبحانہ وتعالیٰ کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کو دنیا سے ایسا ہی بچاتے ہیں۔ سو جس کو انہوں نے دنیا نہیں دی اس کو دنیا کے جھگڑوں اور مضرتوں سے بچایا ہے تو واقع میں دنیا کسی مسلمان کے لائق نہیں بس کفار ہی کے لائق ہے۔ اب اس سے سمجھ لو کہ اس کی کیا قدر ہے۔

---

(۱) جس کو پیاس کا مرض لاحق ہو (۲) سورۃ الفجر: ۱۵، ۱۶۔

علوم دنیوی کی حقیقت

پس اس کا علم کیا علم ہوا تو اس اصطلاح کو بدلنا چاہئیے اور ضرورتِ تبدیل کی وجہ یہ ہے کہ اگر دنیا کے علم کو بھی علم کہا جاوے تو علوم کی جو فضیلت سنی جاتی ہے علم دنیا کو بھی اس میں داخل سمجھیں گے۔ حالانکہ یہ اس میں داخل نہیں تو اس اصطلاح کو چھوڑیے اور ان کو صنعت کہئے حرفت کہئے مگر علم نہ کہئے (۱)۔ علم تو وہی ہے جس کو فرماتے ہیں ﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (۲) یعنی علم وہ ہے جس سے خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہو اور اگر دوسرا کوئی علم کہلاتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے (ان من العلم لجهلاء) کہ ''بعض علم حقیقت میں جہل ہیں'' اور کہا ؎

علمے کہ راہ بحق نمایدجہالت ست

''یعنی جس علم سے معرفت الٰہی حاصل نہ ہو وہ واقع میں جہل ہے''

حتی کہ محققین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر علمِ دین بھی ہو اور عمل نہ ہو تو وہ بھی جہل ہے تو دوسرے دنیوی علوم تو کیسے علم ہو سکتے ہیں' یہ دوسری بات ہے کہ اس کی اجازت کسی خاص ضرورت سے ہو جاوے جیسے پاخانہ کی اجازت ہو جاتی ہے تو اجازت ہو جانے سے پاخانہ کوئی فضیلت کی چیز تو ہو نہیں گیا۔ اسی طرح یہ فنون علم تو نہیں ہاں ضرورت کی وجہ سے ان کی اجازت ہے تو ان فنون کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ جو چیز بدون محنت کے میسر نہیں آتی اور اس کی ضرورت واقع ہوتی ہے تو اس کے لئے کچھ محنت کرتے ہیں سو اس میں حیوانات بھی شریک ہیں وہ بھی کھانے پینے کی تدابیر کرتے ہیں رہا کپڑا تو اگر ان کو کپڑے کی ضرورت ہوتی تو وہ کپڑا بھی ایجاد کر لیتے اور اگر

(۱) معلوم ہوا کہ دنیا کمانے کے لئے جو علوم حاصل کئے جاتے ہیں اصل میں وہ صنعت و حرفت ہیں (۲) سورۃ فاطر: ۲۸۔

کہو کہ وہ کپڑا نہ ایجاد کر سکتے تو اس کو اس سے سمجھ لو کہ بعضے جانور ایسا عجیب گھر بناتے ہیں کہ دیکھو حیرت ہوتی ہے۔ اگر ان کو کپڑے کی ضرورت ہوتی تو اسی طرح کپڑے بھی بنالیا کرتے میں نے بعض جانوروں کو دیکھا وہ ذخیرہ بھی کرتے ہیں

چنانچہ ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ میں ایک گاؤں کے نزدیک کھانا کھانے بیٹھا وہاں ایک کتے کا بچہ بھی آ گیا میں نے اس کو ٹکڑا دیا اس نے اس کو کھایا نہیں بلکہ اٹھا کر بھوسہ کی کوپ (۱) میں رکھ آیا دوسری مرتبہ پھر ٹکڑا ڈالا تو اسے بھی وہاں ہی رکھ آیا کئی مرتبہ اس نے ایسا ہی کیا اس تماشا کو دیکھ کر بہت ہی تعجب ہوا کہ ایسا قصہ آج ہی دیکھنے میں آیا ہے تو یہ سب کام تو جانور بھی کر لیتے ہیں تو اگر انسان نے وہ کام کرلیا جو ایک جانور بھی کر لیتا ہے تو کونسا بڑا کام کیا میں اس کو ناجائز نہیں کہتا جائز تو ہے مگر اس قابل نہیں کہ اس کو علم کہا جاوے۔

علمِ دین کی حقیقت

مگر چونکہ اب اصطلاح مشترک ہوگئی ہے اور ان سب امور کو بھی علم کہنے لگے ہیں اس لئے مجھے علم کے ساتھ دین کی قید لگانے کی ضرورت ہوئی تو اس آیت میں علمِ دین کی فضیلت فرماتے ہیں: ﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ﴿وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ﴾ اور وہ امور سکھلائے جو آپ کو معلوم نہ تھے ﴿وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ کا فضل آپ پر بہت بڑا۔ اس جملہ میں اول تو احسان جتلایا کہ ہم نے آپ کو علمِ دین عطا فرمایا کیونکہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کو کتاب دی تو اس سے علمِ دین کا مراد ہونا اچھی طرح ظاہر ہوگیا کیونکہ کتاب اللہ یقیناً علمِ

(۱) بھوسے کے ڈھیر میں چھپا دیا۔

دین ہے اور حکمت بھی عِلم دین ہی ہے اور مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ''وہ باتیں سکھلائیں جن کو تم نہ جانتے تھے'' بھی علمِ دین ہے جیسا کہ معلوم ہوگا۔ تو اب خلاصہ اس آیت کا یہ ہوا کہ آپ کو علم دین مرحمت فرمایا' اول علم دین کے دینے کو فرمایا اور پھر اس کے بعد فرمایا: ﴿وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا﴾ آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ چونکہ آپ پر خدا تعالیٰ کا فضل اور عنایت ہے اس لئے آپ کو علمِ دین عطا کیا گیا۔ اس سے اول تو حضور ﷺ کی فضیلت معلوم ہوئی کہ آپ حق تعالیٰ کے محبوب ہیں کیونکہ آپ پر خدا تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے پس آپ محبوب ہوئے۔ اور پھر محبوب بھی کیسے کہ آپ کے برابر کوئی بھی نہیں نہ کوئی انسان نہ کوئی فرشتہ' پھر اس سے علم کی بھی فضیلت معلوم ہوئی کیونکہ جب حضور ﷺ محبوبِ کامل ہیں اور محبوبِ کامل کو وہی چیز دی جاتی ہے جو کہ سب سے بڑی چیز ہو تو علم کی فضیلت ثابت ہونے میں کیا شبہہ رہا۔

مال اور عِلم میں فرق

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو خوب سمجھا۔ فرماتے ہیں:

رضینا قسمة الجبار فینا لنا علم وللجهال مال

فان المال یفنی عن قریب وان العلم باقی لا یزال

''کہ ہم خدا کی تقسیم پر راضی ہیں کہ ہم کو علم دیا اور جاہلوں کو مال دیا کیونکہ مال تو بہت جلد فنا ہو جاوے گا اور علم ہمیشہ باقی رہنے والی دولت ہے کبھی فنا نہ ہوگی''

تو علم اور مال میں یہ فرق ہے کہ مال اکثر تو دنیا ہی میں مفارقت (۱) کر

(۱) دنیا ہی میں ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔

جاتا ہے اور اگر مال نے مفارقت نہ کی تو آپ اس کو چھوڑ کر چل دیتے ہیں۔ مثلاً اس وقت ہم یہاں بیٹھے ہیں اور مال ہمارا مکان میں ہے اگر کوئی چور آ کر مال لے جاوے تو ہم کیا کر سکتے ہیں لیجئے دنیا ہی میں الگ ہوگیا ورنہ ہم تو ایک دن اس کو چھوڑ کر مریں ہی گے۔ تو مال ایسی ناپائیدار اور ایسی بے وفا چیز ہے بخلاف علم کے کہ وہ ہر وقت آپ کے پاس ہے۔ اس کی یہ شان ہے ﴿وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ﴾(۱) کہ ہر وقت اس کو ساتھ ساتھ لئے پھرتا ہے۔ تو علم ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے یہاں تک کہ آپ سو رہتے ہیں مگر اس وقت بھی وہ آپ کے ساتھ ہے۔ چنانچہ آپ اس کو بھولتے نہیں جب آپ سو کر اٹھتے ہیں تو وہ سب علم آپ کا محفوظ ہوتا ہے۔ تو ہر حال میں وہ آپ کے ساتھ ہے وہ کسی آفت کی وجہ سے فنا نہیں ہوتا۔ یہ تو آپ کی زندگی میں علم کی حالت ہے اور جب آپ مر جاویں گے وہ اس وقت بھی جدا نہ ہوگا۔ سب کچھ دنیا میں رہ جاوے گا۔ آپ اس کو چھوڑ کر چل دیں گے مگر علم آپ کے ساتھ جاوے گا اس لئے حضرت علیؓ نے فرمایا رضینا قسمة الجبار فینا ' مجھے ایک لطیفہ یاد آیا کانپور میں مدرسہ کا جلسہ تھا۔ اس کے اشتہار میں میں نے یہ اشعار لکھے۔ عبدالرحمٰن خاں صاحب مالک مطبع نظامی نے اس کو دیکھ بطور تفاؤل (۲) کے کہا کہ آپ نے اشتہار میں یہ اشعار لکھے ہیں۔ دیکھ لیجئے گا مدرسہ میں چندہ بالکل نہیں آئے گا۔

علم اور دنیا

غرض یہ حضور ﷺ کو دنیا نہ دینا اور علم دینا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کیا چیز ہے اور دنیا کیا چیز ہے؟ اب لوگ دین کو غارت کر کے دنیا کے پیچھے پڑے

(۱) سورۃ الانعام: ۱۲۲ (۲) مذاقاً فرمایا۔

ہیں۔ پہلے لوگوں میں بے خبری تھی مگر انکار نہ تھا اس وقت تو غضب یہ ہے کہ باوجود خبر کے دین میں اپنی رائے لگاتے ہیں۔ یہ حالت ہے کہ ایک پرانے بیرسٹر نے ایک مولوی صاحب سے کہا کہ مولوی صاحب کفار سود سے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ مولوی لوگ اگر سود مل کر حلال کردیں تو مسلمانوں کو بھی اس سے ترقی ہو۔ مولوی صاحب نے کہا کہ توبہ کرو مولویوں کو اس کا کیا اختیار ہے سود کی حرمت تو قرآن شریف میں منصوص ہے۔ یہ سن کر تو وہ چونک اٹھے اور اپنے منہ پر طمانچے مارے اور توبہ توبہ کر کے کہنے لگے کہ مولوی صاحب کیا قرآن میں اس کو منع لکھا ہے میں تو یہ سمجھتا تھا کہ مولویوں کا بنایا ہوا مسئلہ ہے مگر میں کہتا ہوں کہ پھر غنیمت تھا کہ نادم تو ہوئے یہ بھی فقط اس کی بدولت بڑوں کو آنکھیں دیکھے ہوئے تھیں۔ اس لئے تجربہ کاروں نے کہا ہے کہ:

ع دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اس وقت تو غضب یہ ہے کہ لوگوں نے اللہ والوں کو بھی چھوڑ دیا۔ صاحبو! کچھ بھی کرو، مگر ان اللہ والوں کو نہ چھوڑو، ان حضرات سے اگر تعلق رہے گا تو عملی حالت خراب ہو مگر سرکشی تو نہ ہوگی۔ دین کا استخفاف (۱) تو نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ اب لوگوں نے دنیا کو ایسا مقصود بنا رکھا ہے کہ اس کی وجہ سے دین کو بھی غارت کردیتے ہیں اور زیادہ تر سبب اس کا یہ ہے کہ علمِ دین کی ضرورت وفضیلت سے بے خبر ہیں علمِ دین کو بالکل بے کار سمجھتے ہیں اور فقط یہی نہیں کہ علمِ دین کو بے سود سمجھتے ہیں بلکہ مضر سمجھتے ہیں۔ کہ یہ علم مانع ترقی ہے (۲) اور طلباء کو احدیوں (۳) میں سمجھتے ہیں سو ان کے نزدیک دنیا اس قدر محبوب ہے۔ حالانکہ دنیا اگر کوئی محبوب چیز ہوتی تو حضور ﷺ کو ضرور ملتی کیونکہ حضرت ﷺ محبوب تھے حق سبحانہ وتعالیٰ کے

(۱) دین کو ہلکا سمجھنا (۲) یہ علم ترقی میں رکاوٹ ہے (۳) کاہلوں میں۔

بالخصوص اس حالت میں کہ حضور ﷺ سے کوئی ضرر بھی نہ تھا۔ کیونکہ حضور کے پاس دنیا کا ہونا ایسا تھا جیسا کہ کوئی منتر جاننے والا سانپ کو پکڑے تو جیسے منتر جاننے والے کو سانپ کے پکڑنے سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اسی طرح حضور ﷺ کو دنیا سے کوئی ضرر (۱) نہیں تھا کیونکہ آپ ﷺ کے پاس تو دنیا کا منتر موجود تھا یعنی حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ پھر آپ کو دنیا سے کیا ضرر ہوتا۔ جیسے حضرت سلیمانؑ کو دنیا سے کچھ ضرر نہیں ہوا اسی طرح اور بھی اہل اللہ ایسے ہوئے ہیں کہ ان کو دنیا سے کچھ ضرر نہیں ہوا آج کل لوگوں نے ان نظیروں کو بھی لیا ہے کہ ان حضرات کے پاس بھی دنیا تھی اگر دنیا مذموم (۲) ہوتی تو ان حضرات کے پاس کیوں ہوتی۔ لیکن فرق نہیں دیکھتے آخر فرق بھی تو دیکھو کہ ہم میں اور ان بزرگوں میں کتنا فرق ہے خوب کہا ہے۔

ع آنچہ مردم میکند بوزینہ ہم

''جو کچھ لوگ کرتے ہیں بندر بھی اس کی نقل کرتا ہے''۔

نقل میں ہماری مثال بندر کی سی ہے

مشہور ہے کہ کسی بندر نے ایک بڑھئی کی نقل کی تھی بڑھئی آرے سے لکڑی چیر رہا تھا۔ وہ اٹھ کر کسی کام کو گیا' بس بندر صاحب آن موجود ہوئے اور اس طرح بیٹھے کہ آپ کے بیضے (۳) اس لکڑی کے اندر ہو گئے اور آپ نے کیا کیا کہ اس لکڑی کے درمیان میں ایک کھونٹی لگی ہوئی تھی اس کو ہلا کر نکال لیا اس کا نکالنا تھا کہ آپ کے بیضے لکڑی کے اندر رہ گئے بس آپ وہیں کے وہیں رہ گئے۔ بڑھئی نے آ کر خوب خبر لی۔ تو صاحبو! آدمی جب تک ان حضرات جیسا نہ ہو جاوے اس وقت تک ان کی نقل کیوں کرے ایک نقل ہے کہ ایک بندر استرا لیکر بھاگ گیا تھا نائی

(۱) نقصان (۲) بُری ہوتی (۳) کپورے۔

نے بہت کوشش کی مگر اس نے نہ چھوڑا آخر نائی نے یہ کیا کہ ایک استرا لے کر آہستہ سے اپنی ناک پر پھیرنا شروع کیا۔ بندر نے جو اس کو ناک پر استرا پھیرتے دیکھا تو آپ بھی اپنی ناک پر استرا پھیرنے لگے بس ان کی ناک کٹ گئی اور استرا پھینک کر بھاگے۔ تو اس احمق بندر نے نقل تو کی مگر یہ نہ دیکھا کہ اس کا طریقہ کیا ہے اسی طرح ہم لوگ بزرگوں کی نقل تو کرتے ہیں مگر طریقہ نہیں جانتے ہم نے تو دنیا کا استرا پھیر کر ناک کاٹ لی۔ تو خوب سمجھئے کہ شعر ہے:

کار پاکانرا قیاس از خود مگیر

بزرگوں کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو یعنی نہ تو اپنے اوپر بزرگوں کو قیاس کر کے ان سے بداعتقاد ہو کہ اپنی طرح ان کو بھی دنیادار سمجھنے لگو اور نہ اپنے کو ان کے اوپر قیاس کر کے خود بزرگ بن بیٹھو کہ جیسے وہ باوجود مال و دولت اور سب کچھ ہونے کے دیندار تھے ایسے ہی ہم بھی ہیں۔ غرض یہ ہے کہ جب اولیاء اللہ کو دنیا سے ضرر نہیں ہوا تو حضور ﷺ کو دنیا سے کیا ضرر ہوتا خاص کر جبکہ حق تعالیٰ نے فرمایا بھی کہ اگر کہئے تو جبلِ احد(۱) کو سونا بنا دیا جاوے۔ اگر دنیا حضور ﷺ کو ضرر دینے والی ہوتی تو حق تعالیٰ آپ نے سامنے اس کو کیوں پیش کرتے۔

حضور ﷺ کی دنیا سے احتیاط

حاصل یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے کچھ ضرر نہ تھا مگر اس پر بھی آپ اس سے اس قدر بچتے تھے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے اور پھر آپ فوراً کھڑے ہو گئے اور جلدی کی وجہ سے آدمیوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے مکان تشریف لے گئے۔ جب آپ وہاں سے تشریف لائے تو

(۱) احد پہاڑ۔

دیکھا کہ لوگ آپ کی جلدی کرنے سے متعجب ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے ایک سونا کا ٹکڑا یاد آ گیا تھا کہ وہ ہمارے یہاں رکھا ہوا ہے۔ مجھ کو یہ پسند نہ آیا کہ وہ رات کو ہمارے پاس رہے تو میں اس لئے گیا تھا کہ اس کو تقسیم کرادوں۔ آپ دنیا سے اس قدر بچتے تھے۔ حالانکہ آپ کو دنیا سے کچھ بھی ضرر (۱) نہ تھا۔ تو بات کیا تھی آپ جانتے تھے کہ میری امت ضعیف (۲) ہے اور میری سنت پر عمل کرے گی۔ تو اگر میں دنیا جمع کروں گا تو میری امت کے لوگ اس کو بھی سنت سمجھ کر جمع کریں گے اور ضعیف ہونے کی وجہ سے غارت (۳) ہوں گے۔ اس لئے آپ خود بھی اس سے بچے غرض دنیا سے تو آپ کو ایسا بچالیا گیا اور علم اس طرح سے دیا گیا اور پھر باوجود اس کے اس میں زیادتی کی طلب کرنے کو فرمایا گیا ﴿قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا﴾ ''آپ کہئے اے میرے رب میرے علم کو زیادہ کیجئے'' تو دنیا اول تو دی نہ گئی تھی اور دی گئی تو اس میں زیادتی کی طلب کے لئے نہیں فرمایا گیا اور علمِ دین جتنا دیا گیا اس کے ساتھ اور زیادتی کی طلب کے لئے فرمایا گیا تو علمِ دین ایسی چیز ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے (اِن الا نبیا لم یورثوا دینارا و لا درھما انما ورثوا العلم فمن اخذہ اخذ بحظ وافر ''یعنی انبیاء دینار و درہم میراث میں نہیں چھوڑ گئے' وہ تو علم میراث میں چھوڑ گئے ہیں۔ پس جس نے اس کو لیا اس نے کامل حصہ لیا'' تو علم کی یہ فضیلت ہے اور خوب سمجھ لیجئے کہ یہ فضیلت اصطلاحی علم یعنی مولویت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جس کو علم کا جتنا بھی حصہ عطا ہوگا اتنی فضیلت عطا ہوگی۔ غرض علمِ دین کی یہ فضیلت ہے اب اسی لئے فرماتے ہیں: ﴿وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل تھا اس لئے آپ کو کتاب اور حکمت دی گئی اور جو باتیں آپ کو معلوم نہ تھیں وہ سکھلائیں۔ اب سمجھئے کہ کتاب کیا ہے اور

(۱) نقصان (۲) میری امت کمزور ہے (۳) برباد۔

حکمت کیا ہے؟ تو گو اس میں مفسرین نے مختلف تفسیریں کی ہیں۔ مگر اقرب تفسیر (۱) یہ ہے کہ کتاب سے مراد احکامِ منصوصہ (۲) ہیں اور حکمت سے مراد احکامِ اجتہادیہ (۳) اور مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ''وہ باتیں جن کو آپ نہ جانتے تھے'' اشارہ ہے علم واقعات کی طرف، تو علم کی تین قسمیں کی ہیں۔

شانِ نزول

اس کے واسطے پہلے ایک قصہ مختصراً بیان کر دینا مناسب ہے جو اس آیت کا شانِ نزول ہے، خلاصہ اس قصہ کا یہ ہے کہ مدینے میں ایک جماعت تھی منافقوں کی وہ ہمیشہ مسلمانوں کو ستایا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ ان منافقوں نے چوری کی اور چوری کا الزام ایک بے قصور مسلمان کے ذمہ لگا دیا اور کچھ ایسے اسباب جمع کر دیئے کہ اول وہلہ (۴) میں شبہہ اس بے قصور پر ہو جاوے۔ حضور ﷺ کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ متردد (۵) ہوئے اور پھر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس کی تفسیر میں اکثر لوگوں کو اشکال بھی ہوا ہے۔ اور اکثر کتبِ تفاسیر میں اس سے تعرض (۶) بھی کیا ہے مگر ان جوابات سے شفا نہیں ہوئی مثلاً یہ آیات ہیں: ﴿وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ (۷) ''آپ خائن لوگوں کی طرفداری نہ کیجئے'' اور: ﴿وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا﴾ (۷) ''ان لوگوں کی طرف سے جواب دہی کی بات نہ کیجئے جو کہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں تحقیق اللہ ایسے شخص کو پسند نہیں کرتے جو بڑا خیانت کرنے والا بڑا گناہگار ہے''

(۱) معانی کے قریب ترین تفسیر یہ ہے (۲) کتاب سے مراد وہ احکام ہیں جو قرآن وحدیث میں صراحتاً مذکور ہیں (۳) اور حکمت سے مراد وہ احکام ہیں جو فقہاء نے قرآن و حدیث سے بذریعہ اجتہاد مستنبط کئے ہیں (۴) ابتدائی مرحلہ میں (۵) آپ کو اس بات میں کچھ تردد ہوا (۶) اکثر کتب تفسیر میں وہ پیش بھی کیا گیا (۷) سورۃ النساء: ۱۰۵ (۸) سورۃ النساء: ۱۰۷۔

ان سے ظاہری نظر میں یہ شبہہ ہوتا ہے کہ آپ سے خائنین (۱) کی طرفداری صادر ہوئی تھی جس کی وجہ سے آپ کو اس سے نہی (۲) کی گئی مگر سب کا عمدہ جواب یہ ہے کہ نہی اور امر میں زمانہ استقبال کا ہوتا ہے ماضی اور حال کا نہیں ہوتا (۳) تو ﴿وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ کے معنی یہ ہیں کہ آپ آئندہ کبھی ان کے طرفدار نہ ہوں جیسے کہ اب تک نہیں ہوئے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ طرفدار ہوئے ہوں بلکہ معنی اس کے یہ ہیں کہ جیسے آج تک نہیں ہوئے آئندہ بھی یہی طرز رکھئے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کہ ﴿وَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ ''آپ شبہہ کرنے والوں میں نہ ہوں'' فرمایا ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ آپ کو کچھ شبہہ تھا اور آپ سے منہیات کے صادر (۴) نہ ہونے کی صاف دلیل یہ ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی عصمت

ایک جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَلَوْ لَا اَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا﴾ (۵) ''یعنی اگر ہم آپ کو نہ سنبھالے رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف کسی قدر مائل ہو جاتے'' تو اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو غیر حق کی طرف کبھی میلان نہیں ہوا تو اب کیا شبہہ رہا غرض حضور ﷺ کی عصمت میں کبھی ذرا بھی فتور نہیں پڑا اس وقت مختصراً میں نے بیان کر دیا ہے اپنی تفسیر میں میں نے اس کو مفصل لکھا ہے۔ یہ تو پہلا رکوع ہے اور دوسرا رکوع ہے: ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ﴾ (۶)

(۱) شبہہ ہوتا ہے کہ آپ نے خیانت کرنے والوں کی حمایت کی (۲) آپ کو اسی سے منع کیا گیا ہے (۳) جواب یہ ہے کہ جس چیز سے منع کیا جائے تو صیغہ مستقبل کا استعمال کرتے ہیں ماضی و حال کا نہیں۔ (۴) آپ نے کسی ممنوع بات کا ارتکاب نہیں کیا یہ اس کی واضح دلیل ہے (۵) سورۃ الاسراء: ۸۴ (۶) سورۃ النساء: ۱۱۳۔

''اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ آپ کو غلطی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا'' اس سے بھی آپ کی عصمت میں شبہہ نہ ہونا چاہیے کیونکہ ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّت﴾ فرماتے ہیں یعنی اگر حق تعالیٰ کا آپ پر فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ارادہ کرتا ایک گروہ یہ کہ آپ کو غلطی میں ڈال دے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ کا مرتبہ بھی نہیں ہوا کیونکہ ھَمّ (۱) اس کو کہتے ہیں جس کے بعد صدور فعل کا (۲) ہو جاوے اور وہ مرتبہ عزم کا ہے اور بعض نے ھَمّ کو عزم (۳) سے قبل کہا ہے اور وجہ اس کی یہ ہوئی کہ قرآن میں ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا﴾ (۴) ''اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال عزم کے درجہ میں جم ہی رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا خیال ہو چلا تھا'' بھی ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے ھَمّ بِالْمراۃ (آپ کے دل میں اس عورت کا خیال ہو چلا تھا) کا اثبات ہے اور انبیاء چونکہ معصوم ہوتے ہیں اس لئے عزم معصیت (۵) ان سے محقق نہیں ہوسکتا اس لئے وہ اس کے قائل ہوگئے کہ ھَم عزم سے پہلے ہوتا ہے۔

قرآن پاک کے ایک مشکل مقام کی تفسیر

مگر محققین نے کہا ہے کہ اس کے قائل ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ آگے ﴿لَوْلَا اَنْ رَّاٰى بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ ''اگر اپنے رب کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھا ہوتا'' ہے جو شرطِ موخر ہے ھَمّ بِھا کی یعنی اگر بُرہانِ رب نہ دیکھتے تو ارادہ کر لیتے تو یہاں ھَمّ کا اثبات ہی نہیں جو اس کی ضرورت ہو کہ ھَمّ کو عزم سے قبل مانا جاوے بلکہ ھَمّ

(۱) ارادہ (۲) جس کے بعد آدمی وہ کام کر گذرے جس کا ارادہ کیا تھا (۳) پختہ ارادہ (۴) سورۃ یوسف: ۲۴
(۵) گناہ کا صدور۔

کی نفی مقصود(۱) ہے۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ آگے فرماتے ہیں: ﴿كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْءَ وَالْفَحْشَاءَ﴾ ''اسی طرح ہم نے ان کو علم دیا تا کہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو دور رکھیں'' تو اس میں ان سے صغائر اور کبائر کی نفی فرمارہے ہیں یہ قرینہ ہے اس کا کہ ھَمّ کی یہاں نفی کی جارہی ہے نہ کہ اثبات اور گو بعض نے کہا کہ لَوْلَا کی جزا مقدم نہیں ہوتی۔ لیکن اول تو اس میں اختلاف ہے دوسرے اگر مان بھی لیں کہ لَوْلَا کی جزا مقدم نہیں ہوتی تو یہ ﴿لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ ''اگر اپنے رب کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھا ہوتا'' دال علی الشرط (۲) ہوگا اور شرط محذوف مقدم ہوگی بہر حال یہاں ھَمّ کا اثبات نہیں اس لئے ھَمّ کو عزم سے قبل ماننے کی بھی ضرورت نہیں غرض ھَمّ کا مرتبہ اکثر علماء کے نزدیک وہ ہے جس کے بعد فعل کا صدور ہوتا ہے لیکن حضور ﷺ کے متعلق اس کا تحقق نہیں ہوا کیونکہ یہ فرمایا جارہا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا آپ پر فضل نہ ہوتا تو ایک جماعت ان میں سے ایسا ارادہ کر لیتی تو حق تعالیٰ کا فضل مانع (۳) ہے پھر مجال ہی کیا ہے کہ کوئی ایسا ارادہ کر سکے اور اگر کسی مفسر نے اس کے خلاف کہا ہے تو ہم قرآن کے مقابلہ میں اس کا اعتبار نہ کریں گے بعض تفاسیر میں بعض باتیں بلاسند نقل ہوگئی ہیں وہ قابلِ اعتبار نہیں اسی طرح اِفک کے قصہ میں بھی بعض تفاسیر محض بے سند نقل ہوگئی ہیں۔ چند مقامات قرآن شریف میں مشکل ہیں ان میں سے ایک یہ مقام بھی۔ چنانچہ اس مقام پر جو اشکال تھا وہ رفع ہوگیا۔ غرض ان آیات میں ان منافقین کی شرارت اور ان کی تدابیر کا بے سود (۴) ہونا بیان کیا گیا ہے آگے اس کی تتمیم (۵) ہے ﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ الآیۃ یعنی وہ آپ کو غلطی میں کیسے ڈال سکتے ہیں۔ آپ پر اللہ تعالیٰ

(۱) ارادہ کا اثبات نہیں بلکہ اس کی نفی ہوتی ہے (۲) شرط پر دلالت کرنے والا (۳) اللہ کا فضل رکاوٹ ہے (۴) بیکار ہونا (۵) تکمیل ہے۔

نے کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور ایسی ایسی باتیں سکھلائی ہیں جن کو آپ نہیں جانتے تھے اور اس آیت میں جو تین چیزوں کا علم دینا مذکور ہے کتاب اور حکمت اور ﴿مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ سمجھ میں یوں آتا ہے کہ علوم تین قسم کے ہیں ایک کا نام کتاب رکھا اور ایک کا حکمت اور ایک کو مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ سے تعبیر فرمایا۔

علم کی دو قسمیں

تفصیل اس کی یہ ہے کہ علم کی اصل میں دو قسمیں ہیں ایک علمِ احکام اور ایک علمِ واقعات' اور یہ تقسیم خصوصًا جناب رسول مقبول ﷺ کی شان میں تامل (۱) کرنے سے بہت زیادہ سمجھ میں آجاوے گی کیونکہ حضور ﷺ صاحبِ سلطنت بھی تھے تو حضور ﷺ کو دو قسم کے علم کی ضرورت تھی ایک حکم کے علم کی اور ایک واقعات کے علم کی جیسے حکام کو دونوں باتوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے کیونکہ اگر واقعہ نہ معلوم ہو تو نرے قانون سے کیا ہوتا ہے' یا اس کا عکس ہو کہ قانون نہ معلوم ہو تو صرف واقعہ معلوم ہو جانے سے کیا ہوتا ہے فیصلے میں دونوں ہی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے واقعہ کا بھی علم ہو اور اس کے حکم کا بھی علم ہو۔

حاکم کے لئے دو چیزوں کی ضرورت

اور یہیں سے اس کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی ہوگی جو حدیث میں آیا ہے کہ حاکم تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ کہ علمِ دین رکھتا ہے اور اس کی موافق فیصلہ کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ فیصلہ کے معنٰی یہی ہیں کہ کسی جزئی کو کسی کلی پر منطبق کرنا اور وہ موقوف ہے اس جزئی کے علم پر اور وہی واقعہ ہے۔ پس اس فیصلۂ بحق سے علم تحقیق

(۱) غور کرنے سے۔

واقعہ کی ضرورت ثابت ہوگئی یہ تو جنت میں ہے' ایک وہ جو علمِ دین ہی نہیں رکھتا ایک وہ جو علمِ دین رکھتا ہے مگر اس کے موافق فیصلہ نہیں کرتا یہ دونوں جہنم میں ہیں تو اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ ان دونوں چیزوں کے علم کی ضرورت ہے پس جس نے واقعہ کا علم تلاش نہیں کیا یا واقعہ کا علم تو حاصل کیا مگر حکم کا علم نہیں ہے یہ دونوں جہنم میں ہوں گے اور جس کو دونوں کا علم ہوگا اور اسی کی موافق فیصلہ کرے گا وہ جنت میں ہوگا۔ اب اس حدیث کو سن کر ان لوگوں کو ذرا آنکھیں کھولنی چاہئیں جو آجکل بڑے عہدوں پر ہیں یا محلّہ کے سردار ہیں کیونکہ وہ اکثر واقعات کی تحقیق تو زیادہ کرتے ہیں مگر فیصلہ جو کرتے ہیں وہ اکثر اپنی رائے سے کرتے ہیں علمِ دین سے نہیں کرتے۔ تو اب یہ لوگ کیا کریں یا تو فیصلہ کرنا چھوڑ دیں۔ یہ صورت تو مجھے پسند نہیں بلکہ یہ کریں کہ فیصلہ تو کریں مگر اس طرح کہ واقعات کی تحقیق کر کے ایک مِسل (۱) تیار کریں اور کسی عالم کے پاس وہ مِسل لے جاویں جو کچھ وہ عالم جواب لکھ دے پس اسی کے موافق فیصلہ کر دیا کریں' غرض یہ ہے کہ حاکم کو دو چیزوں کی ضرورت ہوئی ہے ایک تو احکام جاننے کی اور دوسری واقعات کے علم کی۔

احکام کی دو قسمیں

پھر احکام کی دو قسمیں ہیں ایک تو منصوص (۲) اور ایک اجتہادی (۳)' تو اب علمِ ضروری کی تین قسمیں نکلیں ایک احکامِ منصوصہ کا علم ایک احکام اجتہادیہ کا علم ایک واقعات کا علم تو اس قصہ پر نظر کر کے اس کی تفاسیر میں سب سے اقرب تفسیر (۴) یہ ہے کہ اس قصہ میں آپ پر احکام منصوصہ بھی نازل فرمائے اور حکمت بھی نازل کی یعنی

(۱) مقدمے کی کاروائی کے کاغذات کی ایک فائل تیار کرلیں (۲) وہ حکم جو قرآن وحدیث میں صراحتاً موجود ہو (۳) وہ احکام جو فقہاء نے بذریعہ اجتہاد مستنبط کئے (۴) سب سے قریب ترین تفسیر یہ ہے۔

نورِ فہم عطا فرمایا جس سے اجتہاد میں اعانت ہو اور واقعات بھی بتلادیئے یعنی جو باتیں معلوم نہ تھیں کہ کون شخص ان میں بری ہے اور کون مجرم، یہ بھی بتلادیا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور ﷺ کو ہر واقعہ کا علم وحی سے عطا ہوا ہو۔ خاص خاص ضروی واقعات کا علم دینا مراد ہے۔ جیسے یہاں اس واقعہ کا علم ہے جس میں منافقوں نے چوری کا الزام بے قصور پر لگایا تھا۔ تمام واقعات کا علم مراد نہیں ہے۔ چنانچہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے (فلعل بعضكم يكون الحن بحجّته من بعض فاذا امرت لاحدهم بشي فانما اقطع له بقطعة من نار) یعنی شاید تم سے بعض لوگ بعضوں سے اپنی حجت اور دلیل کی اچھی تقریر کرنے والے ہوں اگر میں کسی کے حق میں اس کی چرب زبانی کو سن کر کسی ایسی چیز کا حکم دوں جو واقعہ میں اس کی نہ تھی تو اس کو چاہیے کہ اس کو نہ لیوے پس سوائے اس کے نہیں کہ میں اس کے لئے ایک دوزخ کا ٹکڑا قطع کرتا ہوں۔

پس آپ کو تمام واقعات کا علم نہیں دیا گیا تھا۔ لیکن واقعات غیر معلومہ کا علم قطعی(۱) نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور ﷺ نے اپنے اجتہاد سے جو رائے واقعہ کی صورت سمجھ کر فیصلہ فرمادیا ہو وہ رائے محمود(۲) نہ ہو اور حضور ﷺ کے لئے اس کا وہی اثر نہ ہو جو اس واقعۂ معلوم بالوحی کے علم کا تھا یعنی ثوابًا آگے فرماتے ہیں: ﴿وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ حق تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل ہے تو جتنی ضروری باتیں تھیں سب کا آپ کو علم دے دیا۔ کوئی ضروری بات چھوڑی نہیں۔ اس میں علمِ احکام کا علمِ دین ہونا تو ظاہر ہے۔

علمِ واقعات بھی علمِ دین ہے

رہا علم واقعات سو وہ بھی علمِ دین ہے جبکہ اس سے دین کا کام لیا جائے۔

(۱) نامعلوم واقعات کا علم یقینی نہ ہونے سے (۲) پسندیدہ۔

کیونکہ واقعات کی تحقیق ایک عبادت کے ادا کرنے کے لئے جاتی ہے کہ بَری کو بَری کریں صاحبِ حق کو اس کا حق دلوائیں تو جو اس کا موقوف علیہ ہے(۱) یعنی علمِ واقعات وہ بھی عبادت ہوگا تو حاصل یہ ہوا کہ فیصلہ کے لئے دو قسم کی چیزیں ضروری ہوں گی ایک صغریٰ ہ تو واقعات ہیں مثلاً زید نے ایسا کیا یہ تو صغریٰ ہے۔ اور ایک کبریٰ ہوگا اور وہ قوانین اور احکام ہیں مثلاً جو شخص ایسا کرے اس کا یہ حکم ہے کہ کبریات تو احکام اور حکمت ہیں اور صغریات ہیں مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمْ ''یعنی وہ باتیں سکھلائیں جن کا آپ کو علم نہ تھا'' اور عجب نہیں کہ اسی لئے مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمْ کو کوئی لقب نہ دیا ہو کیونکہ واقعات کا علم مقصود بالذات نہیں۔ غرض یہ کہ احکام اور واقعات کے علم دینے کو فضل فرماتے ہیں: ﴿وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا﴾ ''آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے'' اس سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ واقعات کا علم بھی اگر ذریعہ دین کا ہو تو دین ہے۔ اب فقہا کے قول کو سنئے کہ (من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل) ''یعنی جو شخص اہل زمانہ کے عرف کو نہ جانتا ہو وہ جاہل ہے'' اپنے اہل زمانہ کی کم وبیش واقفیت ہونی چاہیے کہ آج کل لوگوں کی کیا عادت ہے کیا رسوم ہیں اور ان کو معلوم کر کے پھر ان کو اپنے دین کی کلیات میں داخل کرلے ورنہ غلطی کرے گا۔ مثلاً ایک شخص نے آکر پوچھا کہ رہن رکھنا کیسا ہے؟ تو اگر یہ عادت معلوم نہ ہو کہ آجکل رہن نفع کے ساتھ رکھتے ہیں تو وہ جواز فی نفسہ (۲) پر نظر کر کے جائز بتلاوے گا اور اس سے سائل غلطی میں پڑے گا کہ وہ اس کو بحالت موجودہ جائز سمجھے گا حالانکہ وہ

(۱) جس کے علم پر اس کا علم موقوف ہے (۲) کسی کے پاس بطور زر ضمانت کوئی چیز رکھی تو جائز ہے لیکن جس کے پاس رہن رکھی جائے اس کے لئے اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں اس لئے اگر کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ لوگ آج کل مکان گروی اسی لئے رکھتے ہیں کہ رقم دینے والا اس مکان سے فائدہ اٹھاتا ہے کہ رقم کی وصولی تک اس میں رہتا ہے اور یہ ناجائز ہے تو اگر وہ عموم پر نظر کر کے جواز کا فتویٰ دے گا تو یہ درست نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ ناجائز ہے۔

بحالت موجودہ ناجائز ہے اس لئے عالم کو چاہیے کہ اس کی اطلاع حاصل کرے تو اب اگر کوئی پوچھے گا کہ جائز ہے یا نہیں تو یہ بھی اختیار ہے کہ بلا تفصیل ناجائز کہہ دے۔

واقعات جاننے کی ضرورت

اور اس کی مثال ایسی ہے جیسا حدیث میں ہے (لیس من البر الصیام فی السفر) ''سفر میں (جبکہ اس میں ناقابل برداشت تکلیف ہو) روزہ رکھنا ثواب کی بات نہیں'' تو حضور ﷺ نے سفر میں روزہ رکھنے سے بلا کسی قید کے ممانعت فرمادی حالانکہ روزہ سفر کے اندر بالاطلاق تو ممنوع نہیں (۱) ہے بلکہ خاص اسی حالت میں ممانعت ہے جبکہ روزہ رکھنے سے ناقابل برداشت تکلیف ہو جیسا کہ سببِ ورودِ حدیث (۲) میں واقعہ پیش آیا تھا۔ تو اس حدیث کے یہ معنی ہوں گے کہ اس سفر میں جو حالت ہے ایسی حالت میں روزہ رکھنا کوئی ثواب کی بات نہیں۔

اسی طرح اگر وہ رہن کو ناجائز کہہ دے گا تو یہ مطلب ہوگا کہ جو رہن رواج میں ہے نفع کے ساتھ ہو وہ جائز نہیں او اگر زیادہ احتیاط کرے تو سائل سے واقعہ کی تحقیقات کرے اس رہن کی حالت اور شرائط کیا ہیں؟ مگر تشقیق (۳) نہ کرے کہ اگر اس طرح ہو تو جائز ہے اور اس طرح ہو تو ناجائز ہے۔

علماء کو اپنے زمانے کے طبائع اور واقعات کا علم ضروری ہے

علامہ شامیؒ نے لکھا ہے ورنہ وہ اپنے کام کی بات نکال لیتے ہیں تو اس سے یہ کہے کہ تم اس مکان میں رہتے بھی (۴) ہو اگر وہ کہے کہ ہاں رہتا ہوں تو کہہ

(۱) سفر میں مطلقاً روزہ رکھنا تو منع نہیں جس کو تکلیف ہو اس کو منع ہے ورنہ اجازت ہے (۲) جس موقع پر آپ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی (۳) شقیں نکال کر مسئلہ نہ بتائے کہ یوں کرو تو جائز یوں کرو تو ناجائز (۴) جو مکان بطورِ رہن کے تمہارے پاس ہے۔

دے کہ ناجائز ہے۔ خلاصہ یہ کہ واقعات کے جاننے کی بھی بہت ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور انہیں کی اور اولاد کو خلیفہ بنایا فرشتوں کو نہ بنایا کیونکہ اصلاح وہی کرے گا جو کہ خواص طبائع پر محیط (۱) ہو اور یہ علم ہے واقعات کا اور طبائع پر محیط وہ ہوگا جو کہ ہم طبع ہو مثلاً ایک شخص بھوکا مر رہا ہے تو ایسے شخص کو انسان تو مردار کھانے کی اجازت دے دے گا کیونکہ انسان کو بھوک کی حقیقت معلوم ہے وہ اس کی تکلیف کا اندازہ کرسکتا ہے اور فرشتہ اندازہ نہیں کرسکتا وہ کلیہ (۲) بتلاسکتا ہے کہ حالت اضطرار میں مردار کھانا جائز ہے لیکن یہ نہیں بتلا سکتا کہ یہ حالت اضطرار (۳) ہے۔ اگر کوئی کہے کہ جب اصلاح کے لئے ہم طبع ہونا شرط (۴) ہے تو انسان جنوں کی ہدایت کیونکر کرتا ہے تو سمجھو کہ جنوں میں جو خواص ہیں انسان اس کا بھی جامع (۵) ہے اس لئے انسان کو اس کی اصلاح کوئی مشکل بات نہیں غرض علماء کے لئے اپنے زمانہ کے طبائع اور واقعات جاننا از بس ضروری ہیں جو شخص واقعات وطبائع زمانہ سے واقف ہوگا ذرا دھوکا میں کم آویگا۔

چنانچہ ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ ایک شخص نے مجھ سے مسئلہ پوچھا کہ میری توند بڑھ گئی ہے۔ اور زیرِ ناف کا بدن نظر نہیں آتا تو بال کس طرح صفا کروں؟ میں نے کہا ہڑتال اور چونہ سے صاف کرلیا کرو (۶)۔ وہ یہ سن کر بہت دعائیں دینے لگا اور ایک بڑے عالم کا نام لیکر کہا کہ میں نے ان سے دریافت کیا تھا انہوں نے یہ فرمایا کہ بیوی سے صاف کرالیا کرو میں نہایت پریشان تھا۔ آپ نے مجھ کو بڑی پریشانی سے نجات دی۔ تو وہ بڑے بھاری عالم تھے مگر چونہ اور ہڑتال کے خواص و

(۱) طبیعتوں کی خاصیتوں کو جانتا ہو اور ان کا احاطہ کرسکتا ہو (۲) ایک اصولی قاعدہ بتاسکتا ہے کہ حالت مجبوری میں مردار کھانا جائز ہے (۳) یہ مجبوری کی حالت ہے کہ نہیں (۴) ایک ہی طبیعت کا حامل ہونا شرط ہے تو (۵) جنات میں جو خواص ہیں وہ انسان میں بھی ہیں (۶) آج کل اس کے لئے بال صفا کریم استعمال کی جاسکتی ہے۔

طبائع سے جو کہ واقعات میں سے ہیں ناواقف ہونے کی وجہ سے ایسی غلطی کی بھلا بیوی اس لئے ہے کہ اس سے یہ کام لیا جائے طبیعت اس کو کس طرح گوارا کرسکتی ہے۔

اب اور غضب سنئے کہ بعضے رئیسوں کو سنا ہے کہ وہ زیرِ ناف کے بال نائی سے اتر واتے ہیں کچھ ٹھکانا ہے اس بے حیائی کا' غرض عالم اگر خواص و طبائع سے واقف ہو تو اس سے اس قسم کی غلطی پھر نہیں ہوسکتی۔ لہذا ضرورت ہے ہر عالم کو کہ بقدرِ ضرورت واقعات و خواص طبائع سے واقف ہو مگر اس کی ضرورت نہیں کہ امریکہ بھی جاوے اور انجن بھی چلانا جانے۔

حضراتِ فقہاء کی وسیع النظری

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر امام جانے (۱) کہ تراویح میں لوگ قرآن نہیں سن سکتے تو اس کو پورا قرآن پڑھنا مناسب نہیں۔ بس اَلَمْ تَرَ کَیْفَ سے تراویح پڑھا دیا کرے۔ تھانہ بھون کے قریب ایک گاؤں میں ایک حافظ صاحب نے گاؤں کے لوگوں سے کہا کہ کمبختو سب جگہ قرآن ہوتا ہے تمہارے اوپر کیا خدا کی مار ہے تم بھی تو ہمت کر کے سن لیا کرو کہنے لگے قرآن پڑھنے میں تو بڑی دیر لگتی ہے ہم سے اتنی دیر کہاں کھڑا ہوا جاتا ہے۔ حافظ صاحب نے کہا کہ دیر کچھ نہیں لگتی بس ایک پارہ پڑھ دیا کروں گا ایک پارہ تو ذرا سی دیر میں ہوجائے گا۔ کہنے لگے کہ ایک روز پڑھ کر دکھلا دو۔ غرض حافظ صاحب مصلے پر پڑھنے کھڑے ہوئے اور وہ حقے لے لیکر آن بیٹھے یہ حقے پیتے رہے اور حافظ صاحب قرآن شریف پڑھتے رہے جب

(۱) اگر امام محسوس کرے کہ تراویح میں لوگ قرآن نہیں سن سکتے اگر ترتیب سے پورا قرآن سنایا گیا تو لوگ تراویح ہی نہیں پڑھیں گے اس وقت الم تر کیف سے آخر کی دس سورتیں پڑھ کر ہی تراویح پڑھائے تاکہ زیادہ وقت نہ لگے۔

تراویح پوری ہوگئی تو حافظ صاحب نے کہا کہ دیکھا تم نے کتنی دیر لگی کہنے لگے کہ ہاں جی ہاں کچھ ایسی دیر نہیں لگتی اب سے سنا کریں گے' تو فقہا نے ایسے موقع پر تشدد نہیں کیا کیونکہ تشدد سے اصل کام بھی رہ جاتا ہے جیسے ایک مولوی صاحب نے ایک دیہاتی کو نیت روزہ کی سکھلائی تھی وصوم غد نویت دوسرے روز اسے دیکھا تو حقہ پی رہا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا ارے روزہ نہیں رکھا کہنے لگا کہ ابھی نیت یاد نہیں ہوئی جب یاد ہوجائے گی تب رکھوں گا تو سختی کرنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ زیادہ سختی کرنا بہتر نہیں۔ بلکہ نرمی سے کام لینا چاہیے مگر وہ نرمی دین کے لئے ہو یعنی نفع دینی کے لئے ہو اور روپیہ کے لئے نہ ہو کہ بمبئی میں جا کر سود لینے کا وعظ کہہ دیا کہ لوگ خوش ہوں گے تو ہماری مٹھی گرم ہوگی(۱)۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس لئے نرمی کرے کہ وہ دین کی طرف آویں گھبرا نہ جاویں تو اس مقام پر کہ تراویح ''اَلَمْ تَرَ کَیْفَ'' ہی سے پڑھنے کی اجازت لکھی ہے یہ بھی کہا ہے کہ من لم یعرف اھل زمانه فھو جاھل ''یعنی جو شخص اپنے زمانہ کے لوگوں کے طبائع اور عادات اور واقعات سے ناواقف ہے وہ جاہل ہے''۔

ایک امام صاحب تھے رڑکی میں' ان کو لمبی سورتیں پڑھنے کا شوق تھا کہ حتی کہ گرمیوں میں جمعہ کی نماز میں اکثر سورۂ ق پڑھتے تھے لوگوں نے کہا کہ ایسی گرمی میں آپ اتنی لمبی سورتیں پڑھتے ہیں کہنے لگے کہ جب تم سے یہیں کی گرمی برداشت نہیں ہوتی تو دوزخ کی گرمی کیسے برداشت کرو گے' تو یہ ساری خرابی کا ہے کی تھی واقعات اور طبائع سے ناواقف ہونے کی۔ فقہا نے واقعی دین کو پورا پورا سمجھا ہے وہ فرماتے ہیں من لم یعرف اھل زمانه فھو جاھل ''یعنی جو

(۱) ہمیں پیسے ملیں گے۔

شخص اپنے زمانہ کے لوگوں کے طبائع و واقعات سے ناواقف ہے وہ جاہل ہے"۔

مولانا فرماتے ہیں:

چار پایہِ قدر طاقت بار نہ
برضعیفاں قدر ہمت کار نہ

"یعنی چار پایہ پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ مت رکھو اور کمزوروں سے ان کی ہمت کے موافق کام لو"

طفل راگرناں دہی برجائے شیر
طفل مسکین را ازاں نان مردہ گیر

"اگر ذرا سے بچے کو بجائے دودھ کے روٹی دی جاوے تو سمجھو کہ مرے گا"

اجتہاد ہر ایک کے بس کی بات نہیں

ابھی میرے پاس اسی سفر میں خط آیا تھا کہ ایک نصرانی (۱) مع اپنے گھر بار کے مسلمان ہوا ہے لوگ اس کو مجبور کرتے ہیں کہ ختنہ کراؤ لیکن اگر زیادہ مجبور کیا گیا تو اندیشہ ہے دین سے پھر جانے کا' میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ ختنہ کرانا اسلام کا رکن نہیں ہے۔ اول تو فقہا نے لکھا ہے کہ جس کو تحمل نہ (۲) ہو اس کو اس کا ترک جائز ہے۔ دوسرے وہ ختنہ نہ کرانے سے زیادہ سے زیادہ گناہگار رہے گا۔ مرتد (۳) تو نہ ہوگا۔ غرض واقعات کا جاننا ضروری ہے مثلاً کوئی شخص بیع وشرا (۴) کا مسئلہ پوچھتا ہے تو اول ہم سمجھ تو لیں کہ اس کی کیا صورت ہے۔ اگر سمجھیں گے ہی نہیں تو فتوی کیا دیں گے اور سمجھنے کے لئے واقعات سے مناسبت کی ضرورت ہے

(۱) عیسائی (۲) جو برداشت نہ کر سکے اس کو نہ کرانا جائز ہے (۳) اسلام سے تو خارج نہیں ہوگا (۴) خرید و فروخت کا مسئلہ پوچھتا ہے۔

ایک شخص مجھ سے ملے عامل بالحدیث وہ اکثر مجھ سے زمینداری کے مسئلے پوچھا کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ ہمارے علماء تو بس آمین بالجہر اور رفع یدین(۱) ہی کے مسئلے جانتے ہیں اور معاملات کو تو سمجھتے بھی نہیں حکم بتلانا تو درکنار۔ غرض واقعات جب سمجھ میں نہ آویں گے تو فتویٰ کیا دیں گے تو ان کا جاننا بھی لواحقِ علم(۲) سے ہے اور انہیں علمِ واقعات کے ذیل میں بعض قانونِ انگریزی کی کتابیں بھی داخل ہیں کیونکہ بہت سے احکامِ شرعیہ پر عمل کرنا قانون کے جاننے پر موقوف ہے۔ مثلاً ڈاک کے قواعد یا ریل کے قواعد و بعضے قوانین کے جاننے سے اپنی حفاظت ہے' ایک مسئلہ تو اس آیت سے یہ ثابت ہوا اور دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ جیسے منصوصات کا جاننا علمِ دین ہے مجتہدات کا جاننا بھی علمِ دین(۳) ہے۔ تو جنہوں نے اجتہاد کا انکار کیا ہے انہوں نے غلطی کی۔ اسی طرح جنہوں نے اجتہاد کو ایسا عام کیا ہے کہ آپ اور میں سب مجتہد ہیں یہ بھی غلطی ہے۔ اجتہاد بس اسی کا حق ہے جس کو حکمت یعنی نورِ فہم دیا گیا ہو اور یہ حکمت ایسی چیز ہے کہ امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں کہ کسی نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ کیا خصوصیت کے ساتھ تم کو حضور ﷺ نے کچھ بتلایا ہے جو اوروں کو نہیں بتلایا آپ نے فرمایا کہ (ما اختصنا بشیء اِلا فھما اوتیه الرجل فی القرآن) کہ ''ہم کو کسی بات کے ساتھ خاص نہیں کیا ہاں ہمارے پاس ایک فہم ہے جو کہ قرآن کے اندر آدمی کو دی جاتا ہے'' تو اس فہم کا نام حکمت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ علومِ اجتہادیہ ایسے ہیں کہ ہر شخص نہیں سمجھتا۔ اب جو یہ لوگ اجتہاد کو ہر شخص کے لئے عام سمجھتے ہیں اور استدلال کرتے ہیں ﴿وَلَقَدْ

(۱) آمین زور سے کہنا چاہئے اور رکوع سجدے میں جاتے وقت ہاتھ اٹھانے چاہئیں یا نہیں بس یہی مسئلے جانتے ہیں (۲) متعلقاتِ علم میں سے ہے (۳) جیسے قرآن و حدیث کے صریح احکام کا جاننا ضروری ہے ایسے ہی فقہاء کے اجتہادی مسائل کا جاننا بھی ضروری ہے۔

یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ﴾(۱) ''ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کردیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے'' سے ان کی رائے کا بطلان(۲) اس سے ظاہر ہوگیا' رہا ان کا استدلال اس آیت سے تو لِلْاِجْتِهَاد ''اجتہاد کے لئے'' نہیں فرماتے بلکہ لِلذِّکْرِ فرماتے ہیں تو ذکر کے لئے آسان ہے اجتہاد کے لئے ہر ایک کو آسان نہیں اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ واقعات جو کہ احکام کے برابر غامض(۴) نہیں ان کے باب میں فرماتے ہیں:

﴿وَاِذَا جَاءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِالْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾(۵) منافقین کی یہ عادت تھی کہ حضور ﷺ جب کہیں لشکر بھیجتے اور وہاں سے کوئی خبر آتی تو وہ اس کو مشہور کردیتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی جب ان کے پاس کوئی خبر امن کی یا ڈر کی پہنچتی ہے۔ تو اس کو مشہور کردیتے ہیں اور اگر اس کو رسول اور اپنے اہل حکومت کے حوالے کرتے تو اہل تحقیق ان میں سے اس کی تحقیق کرلیتے پس جبکہ معمولی خبروں میں قوت استنباطیہ کی ضرورت ہے اور ہر شخص اس کا اہل نہیں تو احکام جو کہ غامض اور دقیق ہیں ان میں کیسے ہوسکتا ہے کہ ہر شخص ان کو سمجھ لے' اب یہ سمجھنا کیا کوئی آسان بات ہے کہ قرآن شریف میں مہاجرین کی نسبت جنہوں نے مکہ سے مدینے کو ہجرت کی تھی فقراء کا لفظ وارد ہوا تھا ﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ﴾(۶) ''ان حاجت مندوں مہاجرین کا حق ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے جدا کردیئے گئے ہیں'' اس سے فقہاء نے استنباط کیا کہ استیلاء کفار(۷) سبب ہوتا ہے اس کی ملک کا کیونکہ مہاجرین

(۱) سورۃ القمر: ۱۷ (۲) رائے کا غلط ہونا (۳) اجتہاد کے لئے (۴) باریک (۵) سورۃ النساء: ۸۳ (۶) سورۃ الحشر: ۸ (۷) کافر اگر مسلمان پر غلبہ حاصل کرکے اس کے مال پر قابض ہوجائیں وہ اس کے مالک ہوجائیں گے۔

کے اموال اہلِ مکہ کے پاس رہ گئے تھے تو اگر وہ ان کی ملک نہ ہو جاتے بلکہ انہیں کی ملک میں رہتے تو ان کو فقراء کیوں کہا جاتا' فقیر تو اسی کو کہتے ہیں جس کی ملک میں کچھ نہ ہو یہ ایک جزئی مثال کے طور پر ہے ورنہ ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ اجتہاد اور استنباط بہت مشکل ہے۔غرض علومِ اجتہادیہ بھی علمِ دین ہیں اور اس سے ایک مسئلہ یہ بھی ثابت ہوا کہ علوم اجتہادیہ بھی نازل من اللہ (اللہ کی طرف سے اترے ہیں) اور اس کی شرح فقہاء کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ القیاس مظہر لا مثبت ''قیاس حکمِ شرعی کو ظاہر کر دیتا ہے اس کے لئے مثبت نہیں'' تو یہ بھی منزّل من اللہ (۱) ہے۔

علمِ دین کی خاصیت

ایک اور مسئلہ اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ فرماتے ہیں: ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ﴾ ''یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت آپ پر نہ ہوتی تو ایک گروہ ان میں سے آپ کو غلطی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا'' تو گمراہی سے بچانے والا فضل کو فرمایا اور اس آیت سے کہ ﴿وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَظِيْمًا﴾ ''آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے'' معلوم ہوا کہ فضل علمِ دین ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔تو ثابت ہوا کہ علمِ دین میں یہ خاصیت ہے کہ وہ گمراہی سے بچاتا ہے اور جو علمِ دین جان کر بھی عملی غلطی کرے تو اس کو صاحبِ علم نہ کہا جاوے گا۔

علمِ دین سے دین و دنیا کا نفع

اور ایک مسئلہ یہ مستنبط (۲) ہوا کہ علمِ دین سے دین اور دنیا دونوں کا نفع ہوتا ہے اور یہ اس طرح کہ اول آپ کو اس واقعہ میں علم دینے کا ذکر فرمایا اور پھر اس

(۱) اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے (۲) ایک مسئلہ یہ نکلا۔

کے لئے دولفظ فرمائے ایک فضل اور ایک رحمة چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ﴾ الخ۔ اور نصوص کے تتبع (۱) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فضل کا استعمال تو اکثر منافع دنیویہ میں آیا ہے اور رحمة کا استعمال منافع آخرت ہیں۔ چنانچہ مسجد میں داخل ہونے کا وقت جو کہ منافع آخرت حاصل کرنے کا ہے اس کا ذکر رحمة کے لفظ سے وارد ہے اللھم اسئلك من رحمتك ''یعنی اے اللہ آپ سے آپ کی رحمت کی درخواست کرتا ہوں'' اور مسجد سے نکلنے کا وقت جو کہ منافع دنیوی حاصل کرنے کا ہے اس کا ذکر لفظ فضل سے ہے اللھم انی اسئلك من فضلك ''اے اللہ آپ سے آپ کا فضل مانگتا ہوں'' اور ارشاد ہے: ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ (۲) ''پھر جب نماز جمعہ پوری ہو چکے تو اس وقت اجازت ہے کہ تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو'' اور ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ (۳) ''تم کو اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ معاش کی تلاش کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے'' تو جب فضل سے مراد منافع دنیوی ہونے اور رحمة سے مراد منافع اخروی اور علمِ دین کے لئے دونوں لفظ لائے گئے تو معلوم ہوا کہ علم دین سے دین اور دنیا دونوں کو نفع ہوتا ہے مگر اس میں ایک غلطی ہوتی ہے اس کو میں ذکر کرتا ہوں' وہ یہ ہے کہ لوگ ان منافع دنیا کو بھی احکام کا ثمرۂ مقصودہ سمجھتے ہیں یہ غلط ہے اور اگر اس سے شبہہ ہو کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ احکام کے اندر منافع دنیویہ بھی ہیں تو سمجھ لو کہ ان کی یہ غرض نہیں ہے کہ احکام سے دنیا کے منافع مقصود ہیں ہر

(۱) قرآن وحدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فضل کا استعمال اکثر دنیوی فائدہ کے لئے کیا گیا اور رحمت کا استعمال اخروی فائدہ کے لئے (۲) سورۃ جمعہ: ۱۰ (۳) سورۃ البقرۃ: ۱۹۸۔

گز نہیں بلکہ مقصود تو احکام سے صرف حق تعالیٰ کی رضا اور جنت ہی ہے ہاں دنیا کے منافع بھی بطورِ خاصیت کے خود بخود اس سے حاصل ہوجاتے ہیں۔

اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے سفرِ حج سے بمبئی کا سفر لازم آجاتا ہے۔ لیکن مقصود تو سفر کعبہ کا ہوتا ہے تبعًا (۱) بمبئی کا بھی مشاہدہ ہوجاتا ہے۔ تو بمبئی سفر حج سے مقصود تو نہیں لیکن مرتب یہ بھی ہوجاتا ہے اسی طرح احکام کی غرض اور مقصود تو صرف حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور جنت ہے لیکن دنیاوی فلاح بھی بلا قصد اس پر مرتب ہوجاتیں ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے احکام کو اس طرح مقرر فرمایا ہے کہ منافع دنیویہ کا بھی اس میں خاصہ رکھ دیا ہے تو منافع دنیویہ چونکہ احکام کے لئے بمنزلہ خاصیت اور لازم کے ہیں اس لئے وہ احکام پر بلا قصد بھی مرتب ہوجاتے ہیں ان کے حصول کے لئے قصد کی ضرورت نہیں۔ پس وہ احکام سے مقصود نہیں بلکہ اگر کسی شخص کا احکام کے اندر منافع دنیویہ کا قصد ہوگا تو وہ حق تعالیٰ کے یہاں مقبول نہ ہوگا کیونکہ حدیث میں ہے انما الاعمال بالنیات ''یعنی اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے''

نماز باجماعت کا خاصہ

مثلاً نماز جماعت کا یہ خاصہ ہے کہ اس سے قوتِ اتفاقی بڑھتی ہے لیکن یہ جماعت سے مقصود نہیں ہے۔ مقصود تو محض حق تعالیٰ کی رضا ہے۔ تو اگر کوئی شخص نماز اس قصد سے پڑھے کہ قوتِ اتفاقی بڑھے تو ثواب کچھ نہیں ملے گا۔ اور اگر رضائے خداوندی کے قصد سے پڑھے تو ثواب بھی ملے گا اور اتفاق بھی حاصل ہوگا۔ اب جو بعض تعلیم یافتہ لوگوں نے نماز کے یہ مصالح بیان کئے ہیں غلط بھی ہیں اور صحیح بھی اگر اس کو مقصود سمجھیں تو غلط ورنہ صحیح۔ غرض یہ ہے کہ علمِ دین کے لئے چونکہ فَضل اور رحمۃ دونوں لفظ فرمائے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے

(۱) اس کے ذیل میں۔

اندر دنیا اور دین کا نفع ہے۔

عِلم کی قسمیں

اب رہی یہ بات کہ ﴿وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾ میں صرف ایک لفظ کیوں فرمایا' تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اس کو عام لے لیا ہے جو شامل ہے دونوں کو' اب میں ایک بات کہہ کر ختم کرتا ہوں کہ علم کی تقسیم جو تین قسموں کی طرف فرمائی ہے تو اصل مقصود تو یہی علم ہیں۔ لیکن ان کی تکمیل موقوف ہے کچھ اور چیزوں پر بھی۔ اس لئے ان کے موقوف علیہ(۱) بھی ضروری ہوں گے۔ اب اگر اہلِ علم غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اور جتنے علوم ہیں وہ کتاب اور حکمت ہی کے متعلقات ہیں۔

مثلاً علمِ معقول(۲) کہ وہ حکمت کا معین ہے اسی طرح اصولِ فقہ اور علمِ کلام اور علمِ کلام میں چونکہ رد ہے فلاسفہ کا' اس لئے قدرے فلسفہ کی بھی ضرورت ہوگی اور کتاب اللہ عام ہے حدیث کو بھی کیونکہ ایک صحابی نے آپ سے درخواست یہ کی تھی کہ اقض بيننا بكتاب الله ''یعنی ہمارے درمیان کتاب اللہ کی رو سے فیصلہ کر دیجئے'' اور فیصلہ ہوا تھا حدیث سے' پس معلوم ہوا کہ حدیث بھی کتاب اللہ میں داخل ہے اور تصوف بھی چونکہ قرآن و حدیث ہی سے ثابت ہے اس لئے وہ بھی کتاب اللہ میں داخل ہے۔ آج کل بعض لوگ علوم تو پڑھتے ہیں مگر اس میں یہ خرابی کر رکھی ہے کہ جو غیر مقصود تھے ان کو مقصود قرار دے کر اصل مقصود کو چھوڑ دیا ہے۔ یا چھوڑا نہیں لیکن بعضے علوم میں تو بہت ہی کوتاہی کرتے ہیں۔

مثلاً تفسیر کہ اس کو بہت کم پڑھتے ہیں۔ اگر ایک رکوع کسی فارغ التحصیل

(۱) جن چیزوں پر ان علوم کا حاصل کرنا موقوف ہے ان کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہوگا (۲) علم منطق۔

کو دے دیا جاوے اور اس سے کہا جاوے کہ اس کو حل کر دو تو وہ کبھی اس پر قادر نہ ہوگا۔ اس لئے میں نے یہ تجویز کیا ہے کہ تفسیر سے معرّا قرآن ترجمہ سے پڑھیں اور تفسیر بھی کم سے کم مدارک ضرور پڑھیں یا اس کا مطالعہ کریں۔ خیر تفسیر تو کچھ پڑھتے بھی ہیں اور ایک چیز تو بالکل نہیں یعنی علمِ تجوید' یعنی قرآن شریف کو صحیح پڑھنا کہ اس کا کہیں پتہ ہی نہیں۔ افسوس ہے کہ بعضے پرانے مدرس ہیں مگر قرآن شریف غلط پڑھتے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ تجوید سیکھ کر کیا ہم عاصم (۱) بنیں گے؟ میں کہتا ہوں تو کیا مسائل سیکھ کر ابوحنیفہ بن گئے۔ جس طرح مسائل سیکھے جاتے ہیں اسی طرح اسے بھی سیکھنا چاہیے۔ بلکہ اگر مدرسوں میں تجوید جاننے کی شرط لگادی جاوے تو بہتر ہے (۲)۔ مہتممانِ مدارس کو اسکا انتظام کرنا چاہیے۔ غرض تجوید کا بالکل انتظام نہیں اور اگر کہیں انتظام کرتے بھی ہیں تو صرف بچوں کے لئے۔

اور ایک فن ہے قراءتِ سبعہ اس کو بھی چھوڑ رکھا ہے۔ اس میں قرآن کی روایت جمع کی گئی ہیں۔ دیکھئے حدیث میں تو بخاری و مسلم وغیرہ سب کتابیں پڑھتے ہیں تو جب روایات حدیث جمع کرتے ہو تو روایاتِ قرآن کیوں نہیں جمع کرتے؟

کتبِ سلوک داخلِ نصاب کرنے کی ضرورت

دوسرے آج کل علمِ تصوف بالکل ہی متروک ہورہا ہے۔ یعنی علمِ سلوک و اخلاق حالانکہ یہ ایک نہایت ضروری چیز ہے۔ اس فن کی کتابیں بھی درس میں ضرور داخل ہونی چاہئیں۔ (۳) جیسے احیاء العلوم' قوت القلوب' آج کل تصوف کو ایک فضول چیز سمجھتے

(۱) امام عاصم کوفی ایک بہت بڑے قاری ہوئے ہیں (۲) الحمدللہ ہمارے دارالعلوم الاسلامیہ میں یہ شرط ہے کہ جو درسِ نظامی یعنی علومِ دینیہ پڑھے اس کے لئے نہ صرف یہ کہ تجوید سے قرآن پاک سیکھنا ضروری ہے بلکہ قراءت سبعہ وعشرہ کی تکمیل بھی ضروری ہے (۳) دارالعلوم میں الحمدللہ اس کا بھی اہتمام ہے ہر جمعہ کو بعد نماز عصر مہتمم مدرسہ حضرت مولانا مشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ العالی کی مجلس ہوتی ہے۔ اور ہر ماہ حضرت تھانویؒ کا وعظ پڑھنا اور اس کا امتحان دینا بھی طلباء کے لئے ضروری ہے۔ جن کے بارے میں خود حضرت تھانویؒ کا قول ہے کہ جو میرے پچاس وعظ بغرضِ اصلاح پڑھ لے گا اس کی اصلاح انشاءاللہ ہو جائیگی۔ ۱۲ اخ۔

ہیں۔ اسی لئے ہم کو اخلاق کی حقیقت تک معلوم نہیں، نہ ان کا علاج معلوم ہے۔ حالانکہ یہ بھی فقہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کی تعریف یہی کی ہے معرفة النفس مالها و ماعليها غرض تصوف بھی کتاب اللہ میں داخل ہے، اس کا بھی التزام کرنا چاہئے۔

خلاصۂ وعظ

اب میں ختم کر چکا ہوں۔ خلاصہ سارے وعظ کا یہ ہے کہ علمِ دین بہت ضروری ہے تو سب لوگ علمِ دین کی طرف متوجہ ہو جاویں اور علمِ دین کو حاصل کریں جس کا سہل طریقہ میں نے عرض کیا۔ اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو علمِ دین حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دیں۔

وصلی اللّٰہ تعالی علی خیر خلقه محمد واله واصحابه اجمعین

تنبیہاتِ وعظ (۴)

پھر وعظ کے بعد تنبیہات ذیل فرمائیں:

تنبیہ اول: عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ میں بعض نے لفظ ''مَا'' کو عام لیا ہے کہ تمام مجہولات کا آپ کو علم دیدیا تو اول تو آیت میں کوئی دلیل نہیں عموم کی۔ رہا لفظ ''مَا'' کا کلماتِ عموم میں سے ہونا تو اس کا جواب یہ ہے کہ عموم اس کے لئے لازم نہیں ہے ''مَا'' مخصوص میں بھی مستعمل ہوا ہے ﴿ يُعَلِّمُكُمْ مَالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾(۲) ''اللہ تعالیٰ نے تم کو ان باتوں کا علم دیا جن کو تم نہ جانتے تھے'' اور ﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ﴾(۳) ''اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا

(۱) علماء کے فائدے کے لئے ختم وعظ کے بعد کچھ تفسیری نکات تنبیہات کے عنوان سے ذکر فرمائیں (۲) سورۃ البقرۃ:۱۵۱ (۳) سورۃ العلق:۵۔

تھا'' دوسرے اگر لفظ ''مَا'' یہاں عام بھی ہو تو عموم ان ہی امور کا ہوگا جو اس مقام کے مناسب ہیں مثلاً امورِ متعلقہ نبوت و سیاست۔

تنبیہ ثانی: علم کو فضل فرمانا' اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ علم میں محض اکتساب(۱) ہی کافی نہیں فضل خداوندی کی بھی ضرورت ہے۔

تنبیہ ثالث: ﴿وَمِنْ اٰیَاتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ﴾(۲) ''اسی کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا لیٹنا ہے رات میں اور دن میں اور اسی کی روزی کو تمہارا تلاش کرنا ہے'' میں بعض لوگوں نے ''بِالَّیْلِ'' کو ''مَنَامُكُمْ'' کے ساتھ اور ''وَالنَّهَارِ'' کو ''وَابْتِغَاؤُكُمْ'' کے ساتھ متعلق کیا ہے گویا اصل میں اس طرح تھا منامکم وابتغاء کم باللیل والنهار فرمایا کہ اس سے بہتر یہ ہے کہ منام کو عام لیا جاوے مطلق لیٹنے کو بھی' اور وابتغاء کم من فضله سے بھی عام مراد لیا جاوے کہ گو بعض حصہ میں ہو تو اس تقدیر پر باللیل والنهار دونوں کا تعلق ہر ایک کے ساتھ ہو جاوے گا۔(۳)

تمت

(۱) صرف اس کا سیکھنا ہی کافی نہیں اللہ کے فضل کی بھی ضرورت ہے (۲) سورۃ الروم: ۲۳ (۳) بعض کا یہ خیال ہے کہ رات کو سونا اور دن کو روزی تلاش کرنا۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کو عام لیا جائے۔ تاکہ جو تھوڑا وقت روزی کمانے یا تھوڑا وقت سونے میں صرف کرے اس کو بھی یہ حکم شامل ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ فقط خلیل احمد تھانوی ۵ دسمبر ۲۰۰۷ء

الفضل العظیم

(علمِ دین کی فضیلت)

عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
خطبۂ ماثورہ	۳	شانِ نزول	۲۶
فضیلت علم	۳	رسول اکرم ﷺ کی عصمت	۲۷
قانونِ الٰہی کی وسعت	۴	قرآن پاک کے ایک مشکل مقام کی تفسیر	۲۸
قانونِ خداوندی کو جاننے کی ضرورت	۵	علم کی دو قسمیں	۳۰
سات برس کی عمر میں حکم نماز کی حکمت	۶	حاکم کے لئے دو چیزوں کی ضرورت	۳۰
زیادت علم کے لئے دستور العمل	۷	احکام کی دو قسمیں	۳۱
اہل علم کی شان	۸	علم واقعات بھی علم دین ہے	۳۲
علم دین اور فرض کفایہ	۱۱	واقعات جاننے کی ضرورت	۳۴
حضرات علماء سے ضروری مسائل پوچھنے کی ضرورت	۱۳	علماء کو اپنے زمانے طبائع اور واقعات کا علم ضروری ہے	۳۴
عورتوں کو دیندار بنانے کا طریقہ	۱۴	حضرات فقہاء کی وسیع النظری	۳۶
علم دین کی ضرورت	۱۵	اجتہاد ہر ایک کے بس کی بات نہیں	۳۸
دنیا کی مذمت	۱۶	علم دین کی خاصیت	۴۱
علوم دنیوی کی حقیقت	۱۸	علم دین سے دین و دنیا کا نفع	۴۱
علم دین کی حقیقت	۱۹	نماز باجماعت کا خاصہ	۴۳
مال اور علم میں فرق	۲۰	علم کی قسمیں	۴۴
علم اور دنیا	۲۱	کتب سلوک داخلِ نصاب کرنے کی ضرورت	۴۵
نقل میں ہماری مثال بندر کی سی ہے	۲۳	خلاصۂ وعظ	۴۶
حضور ﷺ کی دنیا سے احتیاط	۲۴	تنبیہات وعظ	۴۶